رمضان المبارک کے فضائل و احکام
تالیف
مولانا عبید اللہ محدث مبارکپوری رحمہ اللہ
تحقیق و تعلیق
حافظ ندیم ظہیر
www.KitaboSunnat.com
مکتبہ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رمضان المبارک کے فضائل و احکام

تالیف

مولانا عبید اللہ محدث مبارکپوری رحمہ اللہ

تحقیق و تعلیق

حافظ ندیم ظہیر

مکتبہ اسلامیہ

کتاب .... رمضان المبارک کے فضائل و احکام

تالیف .... مولانا عبیداللہ محدث مبارکپوری رحمہ اللہ

تحقیق و تعلیق .... حافظ ندیم ظہیر

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت 2014ء

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 37232369 - 042-37244973

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 2641204 -041-2631204

E mail: maktabaislamiapk@gmail.com, www.facebook.com/maktabaislamiapk

فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقدیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْاَ مِیْنَ ، أَمَّا بَعْدُ:

ہم رمضان کیسے گزاریں: ماہِ رمضان رحمتوں، برکتوں، سعادتوں اور مغفرتوں کا مہینہ ہے جو یہ تقاضا کررہا ہے کہ دیکھنا کہیں ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میری تمام تر فضیلتیں سمیٹنے سے محروم نہ رہ جانا......شاید یہ زندگی کا آخری رمضان ہو......دوبارہ ایسا بابرکت مہینہ نصیب میں نہ ہو......کیا تم دیکھتے نہیں کتنے ہی ایسے ہیں جو تمھارے ساتھ سحری وافطاری میں شریک ہونے والے اور قیامِ رمضان میں ساتھ کھڑے ہونے والے تھے لیکن......آج نظر نہیں آرہے! کیوں؟......اس لیے کہ ان کا مقررہ وقت پورا ہو چکا ہے۔

﴿ وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا ﴾ کی صدا آچکی ہے بلکہ اب تو تم بھی......اسی قطار میں کھڑے نظر آتے ہو، عنقریب......تمھاری باری بھی آنے والی ہے، پھر کیوں نہ اس زندگی کے بقیہ لمحات وساعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو بدل دیں!

معصیت ونافرمانی کی دلدل سے نکل کر زہد وتقویٰ کے تالاب میں غوطہ زن ہوں، لیکن کیسے؟ ہم اپنی زندگیوں میں کس طرح انقلاب لائیں؟......ہاں!......رب کریم نے ہمیں ایک بہترین موقع عطا کیا ہے اور وہ ''ماہ رمضان'' ہے۔ایک اور بات......کہ ہم کس طرح اس مہینے کے شب و روز گزاریں، تاکہ ہمارا رب رحیم ہم سے راضی ہو جائے اور ہمارے اعمال اس کے ہاں مقبول قرار پائیں؟

تو پھر ضروری ہے کہ درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھا جائے:

توبہ: سب سے پہلے اپنی سابقہ زندگی پر ایک نظر ڈالیں کہ جس قدر بھی گناہ ہوئے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے، خواہ قولاً ہے یا عملاً تو ان سب سے اپنے اللہ کے حضور سچے دل سے توبہ کریں، توبہ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ گناہ کے کاموں سے لوٹنا، گناہ کا اعتراف اور آئندہ کبھی نہ

کرنے کا عزم کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کے حضور خالص توبہ کرو کچھ بعید نہیں کہ تمھارا پروردگار تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔''①

ہو سکے تو خوفِ الٰہی سے چند قطرے آنسوؤں کے بھی شامل کر لیں، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جو اللہ کے ڈر سے رویا۔''②

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''سات قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا کرے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے تنہائی میں اللہ یاد آئے اور اس کے آنسو جاری ہو جائیں۔''③

حصولِ تقویٰ: گناہوں کو چھوڑنے اور نیکی کے کام کرنے پر طبیعت کا مائل ہونا اور اپنے گناہوں کے انجام سے ڈر کر ان سے بچنے کی کوشش کرنا تقویٰ ہے اور ماہِ رمضان کا بڑا اور اہم مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! تم پر رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے (اور اس کا مقصد یہ ہے) کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔''④

تقویٰ اختیار کرنے کے دنیاوی و اُخروی بہت زیادہ فوائد ہیں جس کا تذکرہ قرآن وسنت میں جا بجا ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ ﴾⑤

''جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ آسان کر دیتا ہے

① التحريم 8:66. ② سنن الترمذي: 1633، صحيح. ③ صحيح البخاري: 660، صحيح مسلم: 1031. ④ البقرة 183:2. ⑤ الطلاق 3,2:65.

اوراس کوایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سے ڈرو، اپنی پانچوں نمازیں ادا کرو، اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو، اپنے حاکموں کی اطاعت کرو، تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"①

روزے کی حفاظت: روزے کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اگر ہم نے اس سلسلے میں سُستی وکاہلی کا ثبوت دیا اور صحیح طریقے سے روزے کی حفاظت نہ کر سکے تو ہم اس کی فضیلتوں اور برکتوں سے محروم رہ سکتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ (روزے کے اجر وثواب کو ختم کرنے والے اعمال مثلاً) جھوٹ، بہتان چغلی، غیبت اور لڑائی جھگڑے سے بچا جائے، خصوصاً زبان کی حفاظت کی جائے اور تقویٰ اختیار کیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جنھیں پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی قیام (اللیل) کرنے والے ایسے ہیں جنھیں بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔"②

یعنی جو شخص بھی مذکورہ خرافات سے نہیں بچتا اس کا روزہ اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"③

قیام اللیل: اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو مربوط کرنے کا اہم ذریعہ قیام اللیل ہے اور رمضان میں قیام اللیل فضیلت کے لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے قیام رمضان کرتا ہے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔"④

یہاں ایک بات کا خیال رہے کہ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ "قیام رمضان اکیلے اور گھر میں کرنا زیادہ بہتر ہے، لہٰذا ہم گھر میں قیام کریں گے" لیکن وہ بیچارے ساری رات بستر پر سوئے ہی گزار دیتے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

---

① سنن الترمذی : 616، وسنده حسن. ② سنن ابن ماجه: 1690، سنن الدارمي: 2822، اسناده حسن. ③ صحيح البخاري: 1903. ④ صحيح البخاري: 37.

اور بعض حضرات قیامِ رمضان باجماعت کو سنت سمجھنے سے ہی انکاری ہیں!
ایسے حضرات کی اصلاح کے لیے اس لمبی حدیث کا ایک حصہ پیش خدمت ہے جو آپ ﷺ نے قیامِ رمضان کے بارے میں فرمایا تھا: ''یقیناً جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو بقیہ رات (بھی ثواب کے لحاظ سے) قیام ہی میں شمار کی جاتی ہے۔''①
امید ہے کہ اس قدر قیام رمضان باجماعت کی فضیلت جان کر حیلوں اور بہانوں سے احتراز کیا جائے گا۔

تلاوتِ قرآن مجید کی کثرت: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن (کثرت سے) پڑھا کرو، اس لیے کہ قیامت والے دن یہ اپنے (پڑھنے والے) ساتھیوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔''②

یہ حقیقت ہے کہ اجر وثواب کے لحاظ سے ماہ رمضان میں کیا ہوا عمل زیادہ افضل ہے، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ رمضان میں تو خوب قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں اور دیگر مہینوں میں قرآن مجید چھونے کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ (والعیاذ باللہ)

ذکرِ الٰہی سے زبان تر رکھنا: لغویات وفضولیات کو ترک کر کے ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رکھنا چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔③

دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے۔''④
صبح وشام کے اذکار کی پابندی بھی کرنی چاہیے جیسا کہ دیگر دلائل سے ثابت ہے۔

اعتکاف: رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا سنتِ نبوی ہے اور یہ تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔⑤

---

① سنن ابی داود: 1375، سنن الترمذی: 806، سنن النسائی: 1365، سنن ابن ماجه: 1337، وسنده صحيح. ② صحيح مسلم: 804. ③صحيح مسلم:373. ④سنن ابن ماجه:3793وسنده حسن.
⑤ صحيح البخاري:2025، صحيح مسلم: 11171.

آخری عشرہ: اس عشرے میں اپنی تمام تر توانائی اس پہ خرچ کر دینی چاہیے کہ ہم سے ہمارا اللہ راضی ہو جائے اور ہماری کمیوں، کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگزر فرما دے اور نیکیوں کے حصول میں اضافہ اور جذبہ سبقت ہو۔ (رمضان میں) رسول اللہ ﷺ بھلائی میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ ①

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب (آخری) عشرہ شروع ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ شب بیداری فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور (عبادت کے لیے) کمر کس لیتے۔ ②

لیلۃ القدر: اسی عشرے میں لیلۃ القدر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝﴾

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ③

لہٰذا آخری عشرے میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کرے، تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔'' ④

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔'' ⑤

ایک اہم بات: جو سلسلہ رمضان کی مبارک ساعتوں میں قائم کیا جائے وہ بقیہ گیارہ مہینوں میں بھی برقرار رہنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص رمضان میں قیام اللیل اور اشراق وغیرہ تک کی پابندی کرتا تھا وہ غیر رمضان میں فرض نماز بھی چھوڑ بیٹھے اور پھر اسی معصیت و نافرمانی کی دلدل میں جا گرے جہاں پہلے پھنسا ہوا تھا اور مہینے بھر کے ''اعمالِ صالحہ'' کی کمائی اکارت کر دے۔ (والعیاذ باللہ)

---

① صحيح البخاري: 6، صحيح مسلم: 2308. ② صحيح البخاري: 2224، صحيح مسلم: 1774. ③ القدر 97:1،3. ④ صحيح البخاري:2008، صحيح مسلم:760. ⑤ صحيح البخاري: 2020.

اس لئے ضروری ہے کہ اس مبارک مہینے میں اپنا احتساب کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے صراطِ مستقیم کا انتخاب کرلیں اور اپنا ہر لحظہ ہر لمحہ قرآن وسنت کے مطابق گزار کر آخرت میں اللہ کے ہاں سرخرو ہو جائیں۔ ان شاء اللہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے دین کے لیے چن لے اور ہم سے راضی ہو جائے۔ (آمین)

ماہِ رمضان کے فضائل واحکام ایک نظر میں

جونہی ماہِ رمضان کا آغاز ہوتا ہے: ((فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ)) جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ((غُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ)) دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور ((سُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ)) (سرکش) شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ ①

اور جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے اس مہینے (رمضان) کے روزے رکھے تو اس کے گزشتہ تمام (صغیرہ) گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ ②

روزہ دار ہی وہ خوش قسمت ہے جس کے لئے جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ''الریان'' نامی دروازہ مخصوص ہے۔ ③

اس کے برعکس ایسے آدمی کی ناک خاک آلودہ قرار دی گئی جس نے (اپنی زندگی میں) رمضان کا مہینہ پایا، لیکن بخشش سے محروم رہا۔ ④

بڑے ہی نصیبے والا ہے وہ شخص جو ''ماہ رمضان'' کی تمام تر فضیلتیں کما حقہ اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُ.

چاند دیکھ کر روزہ رکھنا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اسی کو دیکھ کر روزہ افطار کرو اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کی گنتی میں تیس دن پورے کرلو۔'' ⑤

روزے کی نیت: اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، لیکن نیت دل کے قصد وارادے کا نام ہے نہ کہ زبان سے خود ساختہ الفاظ کا ادا کرنا جیسا کہ ''وَبِصَوْمِ غَدٍ

① صحيح البخاري: 1899،1898. ② صحيح البخاري:1901. ③ صحيح البخاري: 1896. ④ سنن الترمذي: 3545 و سنده حسن. ⑤ صحيح البخاري: 1909، صحيح مسلم: 1081.

نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ" عوام میں مشہور ہے، حالانکہ یہ بے اصل ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

سحری کے مسائل: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کا کھانا فرق (کرتا) ہے۔"[1]

مزید ارشاد فرمایا: "سحری کھاؤ، کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔"[2]

سحری کب تک کھا سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور کھانے کا برتن اس کے ہاتھ میں ہو (تو اذان کی وجہ سے) اسے رکھ نہ دے بلکہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرے۔"[3]

مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ سحری کے وقت کے تعین میں لکھتے ہیں:

"جب کوئی شخص اذان سنے اور اسے معلوم ہو کہ یہ اذان فجر ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کھانے پینے سے رک جائے۔ اگر مؤذن طلوع فجر سے قبل اذان دے رہا ہو تو پھر رک جانا واجب نہیں بلکہ کھانا پینا جائز ہے۔"[4]

مذکورہ بالا حدیث نبوی کا تعلق ایسے حضرات کے لئے ہے جو دیر سے بیدار ہوں جب کہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ ان متساہلین کے لئے ہے جو پیٹ بھر کے کھانے کے باوجود اذان ختم ہونے تک کھاتے رہتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حالتِ جنابت میں سحری کھانا: حالتِ جنابت میں سحری کھا کر بعد میں غسل کیا جا سکتا ہے۔[5]

تقاضائے روزہ: روزے کا تقاضا ہے کہ جھوٹ، بہتان، چغلی، غیبت، لڑائی، جھگڑے سے بچا جائے اور تقویٰ کو اپنایا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جنہیں پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی قیام (اللیل) کرنے والے ایسے ہیں جنہیں بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔"[5]

---

[1] صحيح مسلم: 2096. [2] صحيح البخاري: 1923، صحيح مسلم:1095. [3] سنن ابى داود: 2350 وسنده حسن. [4] فتاوى اسلاميه: 173/2 طبع دار السلام. [5] صحيح مسلم: 1109/80.
[5] سنن الدارمی:2722، إسناده حسن/ طبع دار المعرفه.

یعنی جو مذکورہ خرافات سے نہیں بچتا اس کا روزہ اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کو نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''①

جن کاموں سے روزہ نہیں ٹوٹتا: مباحات روزہ، غسل کرنا، مسواک کرنا، بھول کر کھانا یا پینا، سینگی لگوانا، سرمہ لگانا، کنگھی کرنا اور تیل لگانا وغیرہ۔②

روزہ جلدی افطار کرنا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیشہ وہ لوگ بھلائی میں رہیں گے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔''③ معلوم ہوا کہ وہ لوگ خطا پر ہیں جو قصداً روزہ دیر سے افطار کرتے ہیں اور اسے احتیاط کا نام دیتے ہیں۔

افطاری کی دعا: ''ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰه.''④ اس کے علاوہ جو دعا عوام میں مشہور ہے وہ سنداً صحیح نہیں ہے۔

قیام اللیل (تراویح): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے قیام رمضان کرتا ہے اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''⑤

قیام اللیل، تہجد، تراویح ایک ہی نماز کے نام ہیں، لیکن عموماً رمضان کی رات کو کیا جانے والا قیام، تراویح کے نام سے معروف ہے اور اس کی تعداد گیارہ رکعات [2+2+2+2+2+1 (8+3)] ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اسی نماز کو لوگ عتمہ بھی کہتے تھے۔ آپ ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے اور ایک وتر پڑھتے تھے۔⑥

ام المومنین رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں کہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔⑦

---

① صحيح البخاري: 1903. ② صحيح البخاري: 1928-1940. ③ صحيح البخاري: 1957، صحيح مسلم: 1098. ④ سنن ابی داود: 2357، اسنادہ حسن. ⑤ صحيح البخاري: 37. ⑥ صحيح مسلم: 736. ⑦ صحيح البخاري: 2013.

ایسے ہی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو (رمضان میں رات کے وقت) گیارہ رکعات پڑھائیں۔ ①

معلوم ہوا کہ تراویح کی تعداد گیارہ رکعات (8+3) ہی ہے۔ اور واضح رہے کہ پورا ماہ رمضان امام کے ساتھ نماز تراویح ادا کرنا مسنون اور افضل ہے۔ دیکھئے سنن ترمذی (806) جو حضرات اسے بدعت کہتے ہیں ان کا قول بے دلیل و مردود ہے۔

غیر اہل حدیث اور آٹھ تراویح: غیر اہل حدیث کے اکابر نے بھی آٹھ رکعات تراویح کو تسلیم کیا ہے۔ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں: ''اور سنت موکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعات تو بالاتفاق ہے، اگر خلاف ہے تو بارہ میں'' ②

عبدالشکور لکھنوی دیوبندی نے اپنی کتاب علم الفقہ (ص 198) میں آٹھ رکعات ہی کو مسنون قرار دیا ہے۔

روزہ اور اعتکاف کے اجماعی مسائل: اجماع ہے کہ جس نے رمضان کی ہر رات روزہ کی نیت کی اور روزہ رکھا اس کا روزہ مکمل ہے۔

اجماع ہے کہ سحری کھانا مستحب ہے۔

اجماع ہے کہ روزہ دار کو بے اختیار قے آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اجماع ہے کہ جو روزہ دار قصداً قے کرے اس کا روزہ باطل ہے۔

اجماع ہے کہ روزہ دار (اپنی) رال اور (اپنا) تھوک نگل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اجماع ہے کہ عورت کو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں اور درمیان میں ایام شروع ہو جائیں تو پاکی کے بعد پچھلے روزہ پر بنا کرے گی۔

اجماع ہے کہ ادھیڑ عمر، بوڑھے جو روزہ کی استطاعت نہیں رکھتے روزہ نہیں رکھیں گے (بلکہ فدیہ ادا کریں گے)

اجماع ہے کہ اعتکاف لوگوں پر فرض نہیں، ہاں اگر کوئی اپنے اوپر لازم کرلے تو اس پر واجب ہے۔

---

① موطأ امام مالك: 114/1 ح 229، السنن الكبرى للبيهقي: 293/1، وقال النيموي الحنفي: "اسناده صحيح" آثار السنن (ص350). ② براهين قاطعه، ص: 95.

اجماع ہے کہ اعتکاف مسجد حرام، مسجد رسول، اور بیت المقدس میں جائز ہے۔[1]

اجماع ہے کہ معتکف اعتکاف گاہ سے پیشاب، پاخانہ کے لئے باہر جا سکتا ہے۔

اجماع ہے کہ معتکف کے لئے مباشرت (بیوی سے بوس وکنار) ممنوع ہے۔

اجماع ہے کہ معتکف نے اپنی بیوی سے عمداً حقیقی مجامعت کرلی تو اس نے اعتکاف فاسد کردیا۔[2]

قارئین کرام! اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ زیر نظر کتاب ''رمضان المبارک کے فضائل و احکام'' مولانا عبید اللہ محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کی تالیف لطیف ہے۔ اس میں ماہِ رمضان کے احکام بڑے آسان فہم انداز میں مختصر مگر جامع بیان کیے گئے ہیں۔

راقم الحروف نے پوری کتاب کی تخریج وتحقیق کی ہے اور وضاحت طلب مقامات پر اختصار کے ساتھ جامع نوٹ بھی لکھ دیے ہیں۔ صاحب کتاب نے اکثر عربی عبارات کا ترجمہ نہیں کیا تھا، لہٰذا ان عبارات کا حتی الامکان ترجمہ بھی کردیا گیا ہے۔

میں محترم محمد سرور عاصم حفظہ اللہ مدیر مکتبہ اسلامیہ کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ایک مفید کتاب پر تحقیق وتخریج اور تعلیق کا تقاضا کیا جس بنا پر مجھے خدمتِ حدیث کا موقع ملا۔

تنبیہ: دورِ حاضر میں بھی بعض الناس شوال کے چھ روزوں پر اعتراض کرتے ہیں، لہٰذا محدث العصر استاذی المحترم حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے تحریر کردہ مضمون ''صحیح الاقوال فی استحباب صیام ستۃ من شوال'' کو بھی شامل اشاعت کرلیا گیا ہے جس میں بعض الناس کے اعتراضات کے مکمل جوابات ہیں اور اس موضوع پر ایک منفرد وجامع تحریر ہے۔

اللہ رب العزت ہماری ان کاوشوں کو قبول فرمائے اور مؤلف، ناشر، راقم اور ہمارے اساتذہ و والدین کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

حافظ ندیم ظہیر

مدیر ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو

15 جون 2014ء

---

[1] ان تینوں مساجد میں بالاتفاق اعتکاف جائز ہے، ان کے علاوہ دوسری مساجد میں اعتکاف اگرچہ اختلافی مسئلہ ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ تمام مساجد میں اعتکاف جائز ہے۔ [2] الاجماع لابن المنذر، ص: 48،47.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رمضان مبارک کے فضائل واحکام

روزے کی فرضیت پر عقلی دلائل اور فلسفیانہ حکمت ومصلحت سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم چاہتے ہیں کہ رمضان کے وہ فضائل ومنافع اور احکام ومسائل مختصر طور پر ذکر کردیں جو صحیح احادیث اور مستند آثار واقوال سے ثابت ہیں۔

① ((إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ)) وَفِيْ رِوَايَةٍ ((فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ غُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَ سُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ)) وَ فِيْ رِوَايَةٍ ((فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین قید کردیے جاتے ہیں'' اور دوسری روایت کے مطابق ''رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔''[1]

علماء نے لکھا ہے کہ جنت، آسمان یا رحمت کے دروازوں کا کھولنا، دوزخ کے دروازوں کا بند کرنا اور شیاطین کا زنجیروں میں جکڑ دیا جانا حقیقتاً ہے، اسے مجاز اور کنایہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض علماء نے مجاز پر محمول کرتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آسمان کے دروازوں کا کھولنا نزول رحمت سے کنایہ ہے اور جنت کے دروازے کھولنے سے اچھے اور نیک کاموں کی توفیق دینی مراد ہے اور دوزخ کے دروازوں کا بند کرنا کنایہ ہے روزہ داروں کا نفسانی خواہشوں کے دبانے کے باعث معاصی اور طغیانی سے خلاصی پانے سے، اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ میں زیادہ تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا روزہ رکھنا راتوں میں قیام کرنا اور شیفتگان سنت نبویہ کا انوار الٰہی میں غوطہ زن ہونا اور ان کی دعاؤں کا اثر دوسروں تک پہنچنا، ان کے نور کا پرتو دوسرے مسلمانوں پر پڑنا، ان کی برکتوں سے تمام

---

① صحيح البخاري كتاب الصوم، باب: هل يقال رمضان أو شهر رمضان...: 3277,1899، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان: 1079 (2496,2495).

مسلمانوں کا مستفیض ہونا اور ہر مسلمان کا حسب توفیق واستعداد نیک اور اچھے عمل کرنا اور ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والی برائیوں سے بچنا، گویا ان پر جنت کے دروازوں کا کھول دینا اور دوزخ کے دروازوں کا بند کر دینا ہے کیونکہ یہی چیزیں دوزخ سے بچا کر جنت میں لے جانے والی ہیں، اسی طرح جب قوت بہیمیہ دبا دی گئی اور اس کا اثر اور عمل ظاہر نہیں ہوا اور تمام مسلمان اچھے کاموں میں مشغول ہو گئے اور قوت ملکیہ کے آثار واعمال کا ظہور ہوا تو سمجھنا چاہیے کہ برائیوں پر برانگیختہ کرنے والے نیک کاموں سے باز رکھنے والے شیاطین قید کر دیے گئے۔[1]

② ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

''جس نے رمضان کے روزے ایمان اور اجر وثواب کی نیت سے رکھے تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''[2]

ہر چھوٹے بڑے شرعی کام اور عبادت کی صحت اور مقبولیت کے لیے اخلاصِ نیت شرط ہے، اسی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

③ ((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِيْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ)) وَفِيْ رِوَايَةٍ: ((وَ

---

① راجح بات وہی ہے جو شیخ محترم ﷫ نے شروع میں بیان فرمائی کہ یہ حقیقتاً ہے مجازاً نہیں اور شیاطین باندھنے سے مراد سرکش شیطان ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان کے بارے میں فرمایا: ((تُفَتَّحُ فِيْهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ فِيْهِ أَبْوَابُ النَّارِ وَيُصَفَّدُ فِيْهِ كُلُّ شَيْطَانٍ مَرِيْدٍ وَيُنَادِيْ مُنَادٍ كُلَّ لَيْلَةٍ: يَا طَالِبَ الْخَيْرِ! هَلُمَّ وَيَا طَالِبَ الشَّرِّ أَمْسِكْ)) ''اس مہینے میں آسمان کے دروازے کھولے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اس میں ہر شیطان مرید (سرکش شیطان) کو باندھ دیا جاتا ہے اور ایک منادی کرنے والا ہر رات کو یہ اعلان کرتا ہے: اے خیر کے طالب! آؤ (بھلائی کی طرف) اور اے برائی کے طالب! (برے کاموں سے) رک جا۔'' (سنن النسائی: 2110 وسندہ حسن، نیز امام ابن خزیمہ ﷫ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ دیکھیے صحیح ابن خزیمہ (قبل حدیث: 1883)

② صحيح البخاري كتاب الصوم، باب: من صام رمضان إيمانًا و احتسابًا...: 1901، صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: الترغيب في قيام رمضان...: 760 (1781).

الصِّيَامُ جُنَّةٌ))

''انسان کے ہر نیک عمل کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ یہ ثواب سات سو گنا تک بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سوائے روزے کے (کیونکہ اس کے ثواب کے بارے میں حکم جداگانہ ہے، اس کا اجر وثواب بے شمار ہے) بندہ میرے ہی لیے روزہ رکھتا ہے میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ وہ محض میری خاطر اپنی خواہشات اور کھانے پینے کو چھوڑ دیتا ہے، روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی جب اسے اپنے رب کا دیدار حاصل ہوگا۔ اس کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے بھی بڑھ کر ہے۔'' ایک روایت کے مطابق: ''روزہ (برے کاموں وعذاب الٰہی سے بچاؤ اور) ڈھال ہے۔''[1]

افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس بابرکت اور مقدس مہینہ کو لہو ولعب، فسق وفجور عصیان وطغیان، برائی اور بے حیائی، غفلت اور بے پروائی میں گزار دیتے ہیں اور اس مبارک مہینے کی رحمتوں اور برکتوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، کتنے مسلمان ہیں جو روزہ نہیں رکھتے اور اس سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو رمضان کا مہینہ دور کے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملنے کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں اور رمضان میں مسافر بن کر سارا مہینہ اسی سفر میں بغیر روزے کے گزار دیتے ہیں، اگر کوئی پوچھ بیٹھے تو سفر کا عذر پیش کر دیتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کو دھوکا دینے کے لیے بیماری اور سفر کے بہانے کام آجائیں گے مگر خالق عالم ظاہر، باطن دل اور زبان کی حالتوں سے آگاہ ہے، اس کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ بڑے بڑے شہروں میں جہاں مختلف قسم کے کارخانے، فیکٹریاں اور کالج ہیں وہاں ہزاروں نوجوان ایسے ملیں گے جو روزے نہیں رکھتے اور روزے رکھنے والوں کے ساتھ تمسخر اور مخول کرتے ہیں۔ ایک وہ لوگ بھی تھے کہ سفر میں جہاد کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے افطار کر دینے اور افطار کی رخصت واجازت ملنے کے بعد بھی روزہ چھوڑنے میں تردد کرتے تھے،

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام: 1151(2706) واللفظ له، صحیح البخاري كتاب الصوم باب: هل يقول إني صائمٌ إذا شتم؟:1904.

اسلامی شعائر اور دینی فرائض سے محبت و شیفتگی اور بُعد و نفرت کے دونوں دور پر نظر ڈالئے کس قدر عبرت خیز ہے، انہی فرائض و واجبات کی محبت واتباع نے ان کو بام عروج تک پہنچایا اور آج ان کی تعمیل کو تضییع اوقات اور تکلیف مالا یطاق سمجھ کر ترقی سے مانع سمجھا جاتا ہے، لیکن اسے چھوڑ دینے کے باوجود اسی ذلت و پستی اور غلامی و عبودیت میں گھرے ہوئے ہیں بلکہ بدترین اور دوسروں کی نظروں میں ذلیل انسان بنے ہوئے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ .

مہینے کی ابتدا اور انتہا میں رؤیت ہلال کا اعتبار

رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی دوسرا مہینہ، سال کے تمام مہینوں کی ابتدا اور انتہا میں نیا چاند نکلنے اور دیکھے جانے کا اعتبار ہے۔ جنتری اور کیلنڈر اور فلکی حساب کا قطعاً اعتبار نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ))

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار (عید) کرو۔''[1]

رؤیت ہلال کی شہادت

رمضان کے چاند کی رؤیت کے ثبوت کے لیے ایک معتبر مسلمان کی گواہی کافی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَعْنِي هِلَالَ رَمَضَانَ، فَقَالَ: ((أَتَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) قَالَ: نَعَمْ قَالَ: ((أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ)) قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: ((يَا بِلَالُ! أَذِّنْ فِي النَّاسِ أَنْ يَصُوْمُوْا))

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: بلاشبہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں؟'' اس نے کہا: جی

[1] صحيح البخاري كتاب الصوم، باب: قول النبي ﷺ: ((إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا...)) : 1909، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال...: 1090 (2499).

ہاں۔آپ نے فرمایا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟''اس نے عرض کیا: جی ہاں۔آپ نے فرمایا: ''اے بلال! لوگوں کو اطلاع دے دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔''①

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: "تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ : فَأَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنِّيْ رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَ أَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ"

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی۔پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے اس (چاند) کو دیکھ لیا ہے،لہٰذا آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔②

علامہ شوکانی رحمہ اللہ ان دونوں روایتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اَلْحَدِيْثَانِ يَدُلَّانِ عَلٰى أَنَّهَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْوَاحِدِ فِيْ دُخُوْلِ رَمَضَانَ.''

مذکورہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ آغازِ رمضان کے سلسلے میں ایک آدمی کی گواہی قبول کی جائے گی۔③

عید الفطر اور ذوالحجہ کے مہینوں کی ابتدا کے لیے دو معتبر مسلمان مردوں یا ایک مسلمان مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "اخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْ آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَدِمَ أَعْرَابِيَّانِ فَشَهِدَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِاللّٰهِ لَأَهَلَّا فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّاسَ أَنْ يُفْطِرُوْا۔ وَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَ أَنْ يَغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ".

---

① سنن أبي داود كتاب الصيام، باب: في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان: 2340، سنن الترمذي كتاب الصوم، باب ماجاء فى الصوم بالشهادة: 691، سنن النسائي: 2115، سنن ابن ماجه: 1652، وسنده ضعيف، سماک عن عکرمۃ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ ② سنن أبي داود كتاب الصيام، باب : في شهادة الواحد...: 2342 وسنده صحيح ، و صححه ابن حبان: 871 والحاكم: 423/1. ③ نيل الأوطار 4/210 ، طبع دار احياء التراث العربي ، بيروت.

''نبی ﷺ کے کسی صحابی سے روایت ہے کہ رمضان کے آخری دن کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہوگیا، دو اعرابیوں نے نبی ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر اللہ کی گواہی دی، یعنی قسمیں کھائیں کہ انھوں نے کل شام کو چاند دیکھا ہے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو روزہ افطار کر لینے کا حکم دیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:'' اور کل (عید پڑھنے کیلئے) عیدگاہ جائیں۔''①

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ الْحَارِثِ الْجَدَلِيُّ أَنَّ أَمِيرَ مَكَّةَ خَطَبَ ثُمَّ قَالَ: "عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَنْسُكَ لِلرُّؤْيَةِ فَإِنْ لَمْ نَرَهُ وَ شَهِدَ شَاهِدَا عَدْلٍ نَسَكْنَا بِشَهَادَتِهِمَا..."

حسین بن حارث جدلی کا بیان ہے کہ امیر مکہ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم چاند دیکھ کر ارکانِ حج ادا کریں۔ اگر ہم خود نہ دیکھ پائیں اور دو عادل گواہ شہادت دے دیں تو ہم ان کی گواہی پر حج کر لیں۔ ②

قَالَ النَّوَوِيُّ:"فَلَا يَجُوْزُ بِشَهَادَةِ عَدْلٍ وَاحِدٍ عَلَى هِلَالِ شَوَّالٍ عِنْدَ جَمِيْعِ الْعُلَمَاءِ إِلَّا أَبَا ثَوْرٍ".

امام نووی نے فرمایا: ''ابوثور کے علاوہ تمام علماء کے نزدیک شوال کے چاند پر ایک عادل گواہ کی گواہی جائز (کافی) نہیں۔''③

دوسرے مقام کی رؤیت کی خبر کا حکم

کسی مقام میں رمضان یا شوال کا چاند دیکھا گیا تو اس مقام رؤیت سے دور مشرق میں واقع دوسرے مقام والوں کے لیے ان کی رؤیت اس وقت معتبر ہوگی، جبکہ ان دوسرے مقامات کے مطالع مقام رؤیت کے مطلع سے مختلف نہ ہوں۔ موضع رؤیت سے دور مشرق میں واقع بلاد و امصار

① سنن أبي داود كتاب الصيام، باب شهادة لرجلين على رؤية هلال شوال: 2339، وقال الدارقطني: (2/169: 2182) "وهذا إسناد حسن ثابت". ② سنن أبي داود كتاب الصيام، باب: شهادة رجلين على رؤية هلال شوال: 2338 وسنده حسن. ③ شرح صحيح مسلم (3/206).

کے حق میں مغربی مقام کی رؤیت کے اعتبار وعدم اعتبار کے معاملے میں اتحاد واختلاف مطالع کا لحاظ ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مدینہ منورہ میں شام (جو مدینہ سے شمال مغرب میں واقع ہے) کی رؤیت کا اعتبار بظاہر اس لیے نہیں کیا تھا کہ مدینہ کا مطلع شام کے مطلع سے مختلف ہے۔ "لِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ" یہ نہ تو مرفوع حدیث ہے نہ کسی صحابی کا قول، بلکہ کسی فقیہ کا قول ہے، لہٰذا حدیث مذکور کے مقابلے میں قابل التفات نہیں۔

بعض علمائے فلکیات کا کہنا ہے کہ مطلع پانچ سو میل کے قریب کی مسافت پر مختلف ہو جاتا ہے۔ بنابریں ہندوستان کے کسی مغربی مقام کی رؤیت اس کے مشرقی حصے مثلاً مشرقی بہار و بنگال کے حق میں معتبر نہیں ہوگی۔ ①

تار، ٹیلی فون، خط اور ریڈیو کے ذریعے سے چاند کی خبر کا حکم

تار، لاسلکی (وائرلیس) ٹیلی فون، خطوط، ریڈیو، بلاشبہ خبر رسانی کے ذرائع ہیں اور دنیا ان پر اعتماد کرتی ہے لیکن ان کا معاملہ شک وشبہ سے خالی نہیں ہوتا، اس لیے ایک خالص دینی وشرعی معاملے اور مسئلے میں ان ذرائع سے آئی ہوئی خبر ورؤیت پر مطلقاً اعتماد اوران کے اعتبار کا حکم لگانا درست نہیں ہے۔ تار، ٹیلی فون، اور خط کی خبر صرف اس وقت معتبر ہوگی، جبکہ خاص انتظام کے تحت متعدد مقاماتِ رؤیت سے متعدد تار ٹیلی فون یا خطوط آئیں، اور جن کو ٹیلی فون کیا گیا ہو یا خطوط لکھے گئے ہوں وہ لوگ ان ٹیلی فون کرنے والوں کی آوازیں اور خط لکھنے والوں کے رسم خط کو پہچانتے ہوں، جن کی بنا پر مستند علماء کو ان خبروں کا ظن غالب حاصل ہو جائے۔

ریڈیو کی خبر کے معاملے میں حسب ذیل امور پر نظر رکھنی ضروری ہے:

---

① حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ خراسان کی رؤیت کا اندلس میں اور اندلس کی رؤیت کا خراسان میں کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (دیکھیے الاستذکار 283/3)

کریب مولیٰ ابن عباس نے جب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن پہلے جمعے کو چاند دیکھا تھا تو انھوں نے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا، بلکہ فرمایا: "ہم نے تو ہفتے کو چاند دیکھا تھا اور ہم اسی کے مطابق روزے رکھتے رہیں گے حتیٰ کہ ہم چاند دیکھ لیں یا تیس دن پورے ہو جائیں۔" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح حکم فرمایا تھا۔" (دیکھیے صحیح مسلم: 1087 (2528))

① ریڈیو کی اجمالی خبر کہ فلاں شہر یا فلاں مقام میں چاند دیکھا گیا ہے، کل روزہ رکھا جائے گا یا عید منائی جائے گی، مطلقاً قابل قبول نہیں اور اس طرح کی خبر پر روزہ رکھنا یا افطار کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح ایک مقام کی خبر کے بارے میں مختلف شہروں کے ریڈیو اسٹیشنوں کا اعلان بھی قابل قبول نہیں ہے۔

② ریڈیو سے رؤیت ہلال کا اعلان خبر شہادت اصطلاحی نہیں ہے، اس لیے اس میں شہادت مصطلحہ کے شرائط اور قیود کا لحاظ واعتبار نہیں ہوگا۔

③ ریڈیو کے جس اعلان پر صوم یا افطار کا حکم دیا جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ تفصیلی ہو اور ذمہ دار علماء کی جماعت کی طرف سے ہو یا کم از کم اس جماعت کی ذمہ داری کے حوالے سے ہو کہ انہوں نے باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند نظر آ جانے کا فیصلہ کیا ہے، مثلاً کوئی مُتَدَیّن مسلمان ریڈیو اسٹیشن سے یہ اعلان کرے کہ ہمارے شہر کی فلاں ذمہ دار رؤیت ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت یا امیر شریعت یا مفتی (بتصریح نام قاضی یا امیر یا مفتی یا ارکان کمیٹی یا علماء) نے شرعی ثبوت کے بعد یہ اعلان کرایا ہے۔ اس طرح کی صراحت وتفصیل کے ساتھ اعلان پر صوم اور افطار، یعنی عید منانا درست ہوگا۔ ایسا اعلان اُسی وقت ہوسکتا ہے، جبکہ ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت یا امیر شریعت یا مفتی کا ریڈیو کے محکمہ کے ذمہ داروں سے باقاعدہ رابطہ قائم ہو۔

ریڈیو پر اعلان کرنے والا اگر کوئی متدین مسلمان نہ ہو بلکہ ریڈیو کا غیر مسلم ملازم ہو اور وہ کسی ذمہ دار رؤیت ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت (بتصریح نام) کے فیصلے کا اعلان بتفصیل بالا کرے تو یہ خبر بھی قابل تسلیم وقبول ہوگی اور اس پر اعتماد کر کے صوم اور افطار کا حکم درست ہوگا جس طرح توپ، نقارہ کی آواز اور ڈھنڈورچی کے اعلان پر فقہاء نے صوم اور افطار صوم جائز قرار دیا ہے مگر واضح رہے کہ ریڈیو کی خبر سن کر ہر شخص کو بطور خود فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مشتہرہ خبر کی شرعی حیثیت کو نہیں سمجھ سکے گا، اس لیے سننے والوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس معاملے میں بھی اپنے یہاں کے ذمہ دار علماء کی طرف رجوع کریں اور ان کے فیصلے پر عمل کریں یہ مسئلہ اور معاملہ شرعاً انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔

④ ریڈیو سے بصورت مذکورہ نمبر 3 جس مقام کی رؤیت کا اعلان ہو، اس مقام رؤیت سے

دور مشرق میں واقع انہیں مقامات میں اس رؤیت کا اعتبار اور اس پر عمل ہوگا جن کے مطالع مقام رؤیت کے مطلع سے مختلف نہ ہوں بلکہ ایک ہوں، یعنی ان کے یہاں کے افق پر بھی اسی شب میں چاند طلوع ہوتا ہو مگر ابر یا گرد وغبار یا کسی اور وجہ سے نظر نہ آیا ہو۔

⑤ صوم، افطار، عید قربان، حج وغیرہ خالص دینی وشرعی مسائل ہیں، ان کو دنیاوی معاملات، سیاسی خبروں یا عام خبروں اور غیر اسلامی حکومتوں کے کاروبار پر قیاس کرنا قطعاً غلط بات ہے، حکومتیں اپنے مفاد کے لیے اپنے اپنے ریڈیو اسٹیشنوں سے جس قسم کے غلط اور صحیح پروپیگنڈے کا کام لیتی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، ایسی حالت میں صوم وافطار وغیرہ دینی معاملات میں ریڈیو کی خبر واعلان کے اعتبار کے لیے نمبر 3 میں مذکورہ ومبینہ قیود وحدود کا اعتبار ولحاظ ضروری ہے۔

مشکوک دن میں روزے کا حکم

اگر شعبان کی تیسویں رات کو غبار یا بادل کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو اور چاند دکھائی نہ دے اور نہ دوسرے مقام ہی سے چاند دیکھے جانے کی معتبر اطلاع آئے تو وہ رات شعبان کی ہوگی اور اس سے اگلا دن شعبان کا سمجھا جائے گا اور اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ)) ''اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔''[1]

پس غبار یا ابر کی وجہ سے چاند دیکھنے کی صورت میں یہ خیال کر کے روزہ رکھنا کہ اگر کہیں سے چاند کی خبر آگئی تو یہ روزہ رمضان کا ہو جائے گا ورنہ نفل ہوگا غلط اور باطل ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے شک کے دن میں روزہ رکھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی۔[2]

حاصل یہ ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ مشکوک ہو تو اس میں روزہ نہ رکھا جائے اور نہ اس کو

---

① صحيح البخاري كتاب الصوم، باب : قول النبي ﷺ : ((إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا...)) :1909، 1908، صحيح مسلم كتاب الصيام ، باب: وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ....: 1081(2517، 2515، 2514). ② سنن أبي داود كتاب الصيام، باب كراهية صوم يوم الشك: 2334، سنن الترمذي: 686، سنن النسائي: 2190، سنن ابن ماجه : 1645، وسنده ضعيف، ابواسحاق مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔

رمضان میں شمار کیا جائے۔ چاند کو چھوٹا بڑا دیکھ کر بھی شک نہیں کرنا چاہیے بلکہ جس روز چاند دیکھا گیا ہے اسی دن کا سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح رمضان کے استقبال میں چاند دیکھنے سے پہلے ایک دو روزے رکھنا ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔[1] ہاں اگر کسی اور دنوں میں نفلی روزہ رکھنے کی عادت تھی مگر اتفاقاً نہ رکھ سکا یا کسی شخص کی ہر آخر ماہ میں نفلی روزے رکھنے کی عادت ہے تو ایسی صورت میں اجازت ہے کہ وہ آخری تاریخوں میں روزے رکھ لے۔

روزے کی نیت کا حکم

ہر عبادت کی صحت کے لیے نیت شرعی شرط ہے، پس روزے کی صحت بھی نیت شرعی کے ساتھ مشروط ہے، خواہ روزہ نفلی ہو یا فرضی، رمضان کا ہو یا نذر کا، ادا ہو یا قضا اور نفلی روزہ کے علاوہ ہر قسم کے روزے کے لیے صبح طلوع ہونے سے پہلے نیت کر لینا ضروری ہے، کیونکہ نفلی روزے کی اگر آفتاب ڈھلنے سے پہلے بھی نیت کر لی تو روزہ صحیح ہو جائے گا۔ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَ إِسْحَاقُ وَ هُوَ الرَّاجِحُ عِنْدَ شَيْخِنَا كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِيْ شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ ((مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ.))

''امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق ﷭ کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور یہی ہمارے شیخ (مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری ﷫) کے نزدیک راجح ہے، جیسا کہ انھوں نے ترمذی کی شرح (498/3) میں صراحت کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے فجر سے پہلے روزہ رکھنے کا پختہ عزم نہ کیا، اس کا روزہ ہی نہیں۔''[2]

جس نے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا۔ اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، صحیح اور راجح اس حدیث کا مرفوع ہونا ہے۔ كَمَا حَقَّقَهُ الشُّوكَانِيُّ فِي النَّيْلِ وَابْنُ حَزَمٍ فِي الْمُحَلّٰى یہ حدیث فرض

[1] صحيح البخاري كتاب الصوم، باب: لا يتقدم بصوم يوم ولا يومين:1914، و صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب: لا تقدموا رمضان بصوم يوم ولا يومين: 1082.

[2] سنن الترمذي كتاب الصوم، باب ماجاء لا صيام لمن لم يعزم من الليل: 730 وسنده ضعيف، الزهري عنعن، سنن النسائي : 2338 وسنده صحيح(موقوفًا).

اور نفل ہر قسم کے روزوں کو شامل ہے مگر نفلی روزہ اس حدیث کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِيْنِيْ وَيَقُوْلُ: ((أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ؟)) فَأَقُوْلُ: لَا فَيَقُوْلُ : ((إِنِّيْ صَائِمٌ)) وَ فِيْ رِوَايَةٍ: ((إِنِّيْ إِذًا لَصَائِمٌ)) یعنی نبی ﷺ میرے پاس آتے اور پوچھتے: ''کیا صبح کا کھانا ہے؟'' میں عرض کرتی نہیں، آپ فرماتے: ''میں روزہ رکھوں گا۔''[1]

وَ أَمَّا مَا رَوَى عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ: ((أَنْ أَذِّنْ فِي النَّاسِ أَنَّ مَنْ كَانَ أَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، وَ مَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ ، فَإِنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ))[2] أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ فَأُجِيْبَ عِنْدَهُ بِأَنَّهُ إِنَّمَا صَحَّتِ النِّيَّةُ فِي النَّهَارِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ صَوْمَ عَاشُوْرَاءَ أُنْزِلَتْ فَرْضِيَّتُهُ فِي النَّهَارِ فَصَارَ الرُّجُوْعَ إِلَى اللَّيْلِ غَيْرُ مَقْدُوْرٍ وَ النِّزَاعُ فِيْمَا كَانَ مَقْدُوْرًا فَيُخَصُّ الْجَوَازُ بِمِثْلِ هَذِهِ الصُّوْرَةِ أَعْنِيْ مَنْ ظَهَرَ لَهُ وُجُوْبُ الصِّيَامِ عَلَيْهِ مِنَ النَّهَارِ فَتَأَمَّلْ.

ہر روزے کے لیے نیت ضروری ہے۔ صرف پہلی رات کی نیت تمام روزوں کے لیے کافی نہیں ہوگی، اور نیت زبان سے لفظوں میں کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ دل میں نیت کر لینا ہی کافی ہے۔[2]

سحری کھانے کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً)) ''سحری کھایا کرو، سحری

---

① صحيح مسلم كتاب الصيام، باب: جواز صوم النافلة بنية من النهار قبل الزوال... :2715,2714/154، وسنن الترمذي: 734 واللفظ له، السنن الصغير للبيهقي:1294. ② صحيح البخاري كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء: 2007 و صحيح مسلم: 1135(2667).

رہی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو اسلم کے ایک شخص کو حکم دیا کہ ''وہ اعلان کرے جو شخص کھا چکا ہے وہ دن کے بقیہ حصے میں کھانے (پینے) سے رکا رہے اور جس نے نہیں کھایا تو وہ روزہ رکھ لے، کیونکہ یہ عاشورہ کا دن ہے۔'' اسے بخاری وغیرہ نے بیان کیا ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دن میں نیت کو محض اس لیے درست قرار دیا کہ یہ عاشورا کا روزہ ہے اور اس کی فرضیت دن کے وقت نازل ہوئی تھی، لہٰذا غیر مقدور صورت میں رات تک رجوع ہو گیا، جبکہ اختلاف مقدور میں ہے۔ پس ایسی صورت کیلئے جواز کو خاص کیا گیا ہے، یعنی جس شخص پر دن کے وقت روزے کا واجب ہو جانا واضح ہو جائے۔

② آج کل نیت کے جو الفاظ: ''وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ....'' زبان زد عام ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔

کھانے میں برکت ہے۔''[1]

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: ((فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَ صِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ)) ''ہمارے روزے اور اہل کتاب (عیسائی یہودی) کے روزے کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے، یعنی وہ سحری کھائے بغیر روزہ رکھ لیتے ہیں۔''[2]

سحری کھانے کی فضیلت میں اور حدیثیں بھی آئی ہیں۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ سحری کھانا باعث خیر و برکت ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ سحری کھانے والے کو بہ نسبت سحری نہ کھانے والے کے بھوک اور پیاس کی تکلیف کم محسوس ہوتی ہے، وہ زیادہ کمزور اور پریشان نہیں ہوتا۔ ذکر الٰہی، تلاوت قرآن اور نماز وغیرہ میں چست رہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے روزے اور یہودیوں وعیسائیوں کے روزے کے درمیان مابہ الامتیاز چیز سحری ہے۔ اس لیے سحری چھوڑنی نہیں چاہیے، کچھ نہیں تو ایک کھجور اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو ایک گھونٹ پانی ہی سحری کے وقت پی لینا چاہیے۔

سحری دیر سے کر کے کھانے کی مسنونیت اور فضیلت

آج کل عام طور پر لوگ اس ڈر سے کہ آخر شب میں بیدار نہ ہو سکیں گے اور اس صورت میں سارے گھر والے بغیر سحری روزہ رکھیں گے، ایک یا دو بجے شب میں ہی سحری کھا لیا کرتے ہیں یا نصف رات کو سحری کا وقت سمجھ کر بھی بعض لوگ ایسا ہی کرتے ہیں اور جب مختلف غذاؤں سے اچھی طرح شکم پُر کر لیتے ہیں اور (اپنی حاجت) سے فارغ ہو کر سوتے ہیں، کھانے کے نشہ میں خوب گہری اور زبردست نیند آنے کے باعث فجر کی نماز اول وقت غلس میں تو ادا کرنا درکنار آخر وقت میں بھی نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ وہ آفتاب طلوع ہونے کے قریب بیدار ہوتے ہیں، بلکہ اگر جھنجھوڑ کر نہ جگایا جائے تو 9,8 بجے تک سوتے رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسا کرنے کی صورت میں دوہرے نقصان اور خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ فجر کی نماز یا تو قضا ہو جاتی ہے یا مکروہ وقت

---

[1] صحيح البخاري كتاب الصوم، باب بركة السحور من غير إيجاب: 1923، و صحيح مسلم كتاب الصيام ، باب فضل السحور...: 1095 (2549). [2] صحيح مسلم كتاب الصيام، باب فضل السحور و تأكيد استحبابه...: 2550/1096.

میں ادا کرتے ہیں، اور سحری کا مسنون طریقہ اور وقت چھوڑ دیتے ہیں۔

سحری کا مسنون وقت اور طریقہ یہ ہے کہ صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے صبح کاذب میں یا صبح کاذب سے کچھ پہلے کھانا چاہیے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ قُمْنَا إِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ: كَمْ كَانَ قَدْرُ مَا بَيْنَهُمَا ؟ قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ آيَةً."

"ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم نماز کیلئے کھڑے ہوئے۔ میں نے کہا: ان دونوں (اذان اور اقامت) کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا تھا؟ انھوں نے فرمایا: (تقریباً) پچاس آیتیں (پڑھنے) کے برابر۔"[1]

یعنی آپ کی سحری اور فجر کی نماز کے درمیان فاصلہ پچاس آیت پڑھنے کے برابر ہوتا تھا۔

کس قدر افسوس ہے کہ جو لوگ اس سنت پر عمل کرتے ہیں، یعنی سحری دیر کر کے کھاتے ہیں، ان سے مذاق کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے یہ سحری دن میں کھاتے ہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. ہاں سحری آخر شب میں کھانے والوں کو خیال رکھنا چاہیے کہ کھانے پینے اور چائے میں مشغول رہ کر اس طرح بے خبر نہ ہو جائیں کہ صبح صادق طلوع ہو گئی ہو اور وہ اب تک اسی شغل میں منہمک ہوں۔[2]

وقت ہوتے ہی فوراً روزہ افطار کر دینا چاہیے

جب سورج غروب ہو جائے اور مشرق سے سیاہی نمودار ہو جائے تو روزہ افطار کر دینا چاہیے اور بلا وجہ شک میں پڑ کر دیر نہیں کرنی چاہیے، روزہ افطار کرنے کا یہی وقت ہے۔

---

① صحيح البخاري كتاب الصوم، باب قدر كم بين السحور و صلاة الفجر: 1921، وصحيح مسلم كتاب الصيام ، باب فضل السحور و تأكيد استحبابه...: 1097 (2552) وسنن الترمذي: 704,703، و سنن ابن ماجه:1694، وسنن النسائي: 2155,2154. ② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور کھانے کا برتن اس کے ہاتھ میں ہو (تو اذان کی وجہ سے) اسے رکھ نہ دے بلکہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرے۔" سنن أبي داود: 235، وسنده حسن. لیکن واضح رہے کہ جو اپنی ضرورت پوری کر چکا ہو، اس پر لازم ہے کہ اذانِ فجر سنتے ہی کھانے پینے سے رک جائے۔ دیکھئے فتاویٰ اسلامیہ (73/2) ایک جائز امر سے ناجائز فائدہ اٹھانا درست نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ))

''جب رات سامنے آئے (مشرق سے سیاہی نمودار ہو جائے) اور دن پلٹ جائے اور آفتاب غروب ہو جائے تو روزہ افطار کرنے کا وقت ہو گیا (اب بلا تاخیر روزہ افطار کر دینا چاہیے۔'' ①

((لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْإِفْطَارَ)) ''لوگ جب تک افطار میں جلدی کریں گے بھلائی میں رہیں گے۔'' ②

حدیث قدسی ہے: ((أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا)) ''مجھے سب بندوں سے زیادہ محبوب وہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتا ہے۔'' ③

یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی روزہ افطار کر لیتا ہے اور دیر نہیں کرتا۔ جلدی کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آفتاب غروب ہونے سے پہلے یا اس کے غروب ہونے میں شک اور تردد ہونے کے باوجود روزہ افطار کر لیا جائے، غرض یہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچنا چاہیے۔

روزہ افطار کرنے کی دعا

((اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ))

''اے اللہ! تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیے ہوئے سے افطار کیا۔'' ④

دوسری دعا: ((ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) ⑤

---

① صحيح البخاري كتاب الصوم، باب متى يحل فطر الصائم:1954، صحيح مسلم كتاب الصيام، باب بيان وقت انقضاء الصوم وخروج النهار:1100(2558). ② صحيح البخاري كتاب الصوم، باب تعجيل الإفطار: 1957، صحيح مسلم كتاب الصيام، باب فضل السحور...:1098(2554). ③ سنن الترمذي كتاب الصيام، باب ماجاء في تعجيل الإفطار: 700 وسنده ضعيف، امام زہری مدلس ہیں اور روایت عن سے، یعنی سماع کی تصریح نہیں ہے۔ ④ سنن أبي داود كتاب الصيام باب القول عند الإفطار:2358، وسنده ضعيف، معاذ بن زہرہ مجہول ہے، نیز سند مرسل ہے۔
⑤ سنن أبي داود كتاب الصيام باب القول عند الإفطار: 2357 وسنده حسن.

"پیاس جاتی رہی، رگیں تر ہو گئیں اور ثواب لازم وثابت ہو گیا، اگر اللہ نے چاہا۔"

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیے

تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرنا افضل ہے، اگر تر و تازہ نہ ملیں تو خشک کھجوروں سے افطار کیا جائے یہ بھی میسر نہ ہوں تو پانی سے افطار کر لیا جائے۔

عَنْ أَنَسٍ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُفْطِرُ عَلَى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَعَلَى تَمَرَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَآءٍ".

"نبی کریم ﷺ نماز سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے۔ اگر تازہ میسر نہ ہوتیں تو خشک سے افطار کرتے، اگر خشک بھی میسر نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے۔"①

سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے روزے کی افطاری سے متعلق فرمایا:

((إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ فَإِنَّهُ طَهُوْرٌ))

"جب کوئی روزہ افطار کرنا چاہے تو کھجور سے افطار کر لے، کیونکہ وہ باعث نفع و برکت ہے۔ اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے افطار کر لے، کیونکہ وہ طاہر اور مُطَهِّر (پاکیزہ) ہے۔"②

روزہ افطار کرانے کا ثواب

کسی دوسرے روزے دار کا روزہ افطار کرانا بڑے ثواب کا کام ہے۔ پس دوست احباب اور

---

① سنن أبي داود كتاب الصيام باب القول عند الإفطار: 2357 وسنده حسن، سنن الترمذي: 696. ② سنن الترمذي كتاب الصوم، باب ما جاء ما يستحب عليه الإفطار: 695 واللفظ له، سنن أبي داود كتاب الصيام، باب ما يفطر عليه: 2355،سنن النسائي: 2581، سنن ابن ماجه: 1699 وسنده صحيح، مسند أحمد 4/71.

عزیز واقارب کے روزے افطار کرانے کے ساتھ فقرا ومساکین اور بیوہ عورتوں کے یہاں، نیز مساجد میں افطاری بھیج کر ثواب اخروی حاصل کرنے میں سبقت کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِم مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا)) "جو شخص کسی روزے دار کا روزہ افطار کرائے اسے اس (روزے دار) کے برابر ثواب ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔"[1]

نیز آپ نے فرمایا:

((مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهِ وَ عِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ)) قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفْطِرُ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَاءٍ وَ مَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ))

"جس شخص نے کسی روزے دار کا روزہ افطار کرایا تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور وہ دوزخ سے آزاد ہو جائے گا اور اس کو روزے دار کے برابر اجر ملے گا، بغیر اس کے کہ روزے دار کے اجر میں کچھ کمی واقع ہو۔" صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص ایسا نہیں ہے جو روزہ افطار کرا سکے۔ آپ نے فرمایا: "یہ اجر اللہ پاک ہر اس شخص کو دے گا جو کسی روزے دار کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرا دے اور جس کسی نے کسی روزہ دار کو خوب آسودہ اور سیر کر دیا تو اللہ پاک اس کو میرے حوض کوثر سے اتنا پلائے گا کہ وہ پیاسا نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔"[2]

---

[1] صحيح، سنن الترمذي: 807، وسنن ابن ماجه: 1746. [2] شعب الإيمان للبيهقي: 223/5، طبع مكتبة الرشد، وسنده ضعيف. علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہے۔

روزے میں کون سے امور جائز ہیں اور کن امور سے روزہ نہیں ٹوٹتا؟

تر یا خشک مسواک دن کے کسی بھی حصے میں کرنا، سرمہ لگانا اور آنکھ میں دوائی ڈالنا، سر یا بدن میں تیل ملنا، خوشبو لگانا، سر پر کپڑا تر کر کے رکھنا، فصد لینا، پچھنا لگوانا، بشرطیکہ کمزوری کا خوف نہ ہو، انجکشن لگوانا جو قوت اور غذا کا کام نہ دے، ضرورت کے وقت ہنڈیا کا نمک چکھ کر فوراً تھوک دینا اور کلی کرنا۔ صبح صادق کے بعد جنابت کا غسل کرنا، مرد کا بیوی سے صرف بوس وکنار کرنا، بشرطیکہ اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہو اور جماع واقع ہونے کا خوف نہ ہو، دن میں احتلام ہو جانا، عورت کو دیکھ کر انزال ہونا، خود بخود قے آجانا خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ، تالاب وغیرہ میں غسل کرنا، بشرطیکہ غوطہ لگانے کی صورت میں ناک یا منہ کے ذریعے سے حلق کے اندر پانی نہ جائے، پانی ڈالنا بغیر مبالغہ کے، ناک کے رینٹھ کا اندر ہی اندر حلق کے راستے اندر چلے جانا، کلی کرنا، بشرطیکہ مبالغہ نہ کرے۔ کلی کرنے کے بعد منہ میں پانی کی تری کا تھوک کے ساتھ اندر چلے جانا، مکھی کا حلق میں چلے جانا، استنشاق بلا مبالغہ کی صورت میں، بغیر قصد وارادہ پانی کا ناک سے حلق کے اندر اتر جانا، منہ میں جمع شدہ تھوک کو نگل جانا مگر ایسا نہ کرنا بہتر ہے۔ مسوڑھے کے خون کا تھوک کے ساتھ اندر چلے جانا۔ کلی کرتے وقت بلا قصد وارادہ پانی کا حلق میں اتر جانا، عورت سے بوس وکنار کی صورت میں انزال ہو جانا، بھول کر کھا پی لینا۔ [1]

---

[1] ''روزے میں کون سے امور جائز ہیں اور کن امور سے روزہ نہیں ٹوٹتا'' کے تحت بعض امور ہمارے نزدیک محلِ نظر ہیں: ①: ہر قسم کے انجکشن اور کان وناک میں دوائی وغیرہ ڈالنے سے اجتناب ضروری ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اَلْإِفْطَارُ مِمَّا دَخَلَ وَ لَيْسَ مِمَّا خَرَجَ.'' اگر (جسم میں) کوئی چیز داخل ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، البتہ نکلنے سے نہیں ٹوٹتا۔ (الاوسط لابن المنذر 1/175، وسندہ صحیح، نیز دیکھئے صحیح بخاری قبل حدیث: 1938) اس سے معلوم ہوا کہ بالارادہ روزے کی حالت میں انجکشن یا ناک وکان کے ذریعے سے دوائی جسم میں داخل کرنا جائز نہیں۔ شریعت میں طبیعت زیادہ خراب ہونے کی صورت میں روزے کا ترک ثابت ہے، لیکن اس کی قضا لازم ہے۔ ②: بہتر یہی ہے کہ ہانڈی وغیرہ کو نہ چکھا جائے، کیونکہ اس سلسلے میں جن روایات سے استدلال کیا جاتا ہے وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (3/47) یہ روایت جابر جعفی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ تغلیق التعلیق لابن حجر (3/152) یہ روایت شریک بن عبداللہ اور اعمش کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ باقی حوالہ جات کے لئے دیکھئے: موطأ امام مالک (1/294 ح 660 وسندہ صحیح) سنن ابی داود (2365) صحیح بخاری: 1925، 1926، صحیح مسلم (1109) مصنف ابن ابی شیبہ: 3/40 ح 9214، 3/35 ح 9486، 3/38 ح 9168، نیز سورۂ بقرہ (173) وغیرہ (ندیم ظہیر)

((مَنْ نَسِيَ وَ هُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَ سَقَاهُ))

''جو روزے دار بھول کر کھا پی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔''①

یعنی بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور نہ اس کی قضا دینی ہوگی۔

((مَنْ أَفْطَرَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ نَاسِيًا فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَ لَا كَفَّارَةَ))

''جس نے رمضان کے مہینے میں بھول کر افطار کر دیا، اس کے ذمہ نہ قضا ہے نہ کفارہ۔''②

مگر بھول کر جماع یا کھانے کی صورت میں جب یاد آجائے فوراً چھوڑ دینا چاہیے۔

غبار دھوئیں یا آٹے کا اڑ کر حلق کے اندر چلے جانا، موچھوں میں تیل لگانا، کان میں سلائی داخل کرنا، دانت میں اٹکے ہوئے گوشت یا کھانے کا ذرہ جو محسوس نہ ہو، پھر منتشر ہو کر رہ جائے اور حلق کے اندر چلے جانا۔

روزہ جن امور سے ٹوٹ جاتا ہے

دانستہ قصداً کھانا پینا خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، دانستہ جماع کرنا، قصداً قے کرنا تھوڑی ہو یا زیادہ، مبالغہ کے ساتھ ناک میں پانی یا دوا چڑھانا۔ یہاں تک کہ حلق کے نیچے اتر جائے، کھانا پینا یا جماع کرنا، منہ کے علاوہ کسی زخم کے راستے سے نلی کے ذریعے سے غذا یا دوا پہنچانی، حقنہ کرنا، ان سب صورتوں میں ٹوٹے ہوئے روزہ کی قضا رکھنی ضروری ہے اور دانستہ بیوی سے صحبت (جماع) کر لینے کی صورت میں قضا کے ساتھ کفارہ دینا بھی ضروری ہے۔ کفارہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے۔ اگر اس کی قدرت نہ ہو تو پے در پے (مسلسل) ساٹھ روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔③

① صحيح مسلم كتاب الصيام، باب أكل الناس وشربه و جماعه لا يفطر: 1155 (2716).
②صحيح، المستدرك للحاكم: 430/1، ابن حبان (موارد: 906) و السنن الكبرىٰ للبيهقي: 229/4. ③ صحيح البخاري كتاب الصوم، باب إذا جامع في رمضان وَلم يكن له شيء ...: 1936،1938، صحيح مسلم كتاب الصيام ، باب : تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان على الصائم...: 1111 (2595).

بیمار، مسافر، حاملہ، مرضعہ کے لیے شرعی رخصت

اگر مسافر، بیمار یا حاملہ کو روزہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہو اور دودھ پلانے والی عورت کے دودھ خشک ہونے کا خوف ہو تو ان لوگوں کے لیے شریعت کی طرف سے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں، بلکہ مسافر کے لیے اس صورت میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرة 2:184) بیمار اور مسافر کیلئے رخصت ہے کہ روزے نہ رکھیں لیکن اس کے بعد ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا دینی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ شَطْرَ الصَّلٰوةِ أَوْ نِصْفَ الصَّلٰوةِ وَ الصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَ عَنِ الْمُرْضِعِ أَوِ الْحُبْلٰى))

"اللہ نے مسافر کو قصر کی اجازت دی ہے اور مسافر، حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دے دی ہے۔"[1]

اگر سفر میں تکلیف نہ ہو اور بیماری، حمل اور دودھ پلانے کی حالتوں میں روزہ رکھنے سے ضرر و مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور جس طرح مسافر یا بیمار کو قضا دینی ہوتی ہے اسی طرح حاملہ کو وضع حمل کے بعد جب روزہ رکھنے کی طاقت ہو اور مرضعہ کو جب دودھ خشک ہونے کا خوف جاتا رہے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا دینی چاہیے۔ قَالَ شَيْخُنَا رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ: "الظَّاهِرُ أَنَّهُمَا (الْحَامِلُ وَالْمُرْضِعَةُ) فِي حُكْمِ الْمَرِيضِ فَيَلْزَمُهُمَا الْقَضَاءُ" ہمارے شیخ (عبدالرحمن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ) نے ترمذی کی شرح میں فرمایا: "ظاہر یہی ہے کہ وہ دونوں (حاملہ اور مرضعہ) مریض کے حکم میں ہیں، لہٰذا ان دونوں پر قضا لازم ہے۔"[2]

---

[1] حسن، سنن أبي داود كتاب الصيام باب اختيار الفطر:2408، سنن الترمذي كتاب الصوم، باب ما جاء في الرخصة فى الإفطار للحبلى والمرضع: 715، سنن النسائي: 2273، سنن ابن ماجه: 1667، وصححه ابن خزيمة: 2044.

[2] سلف صالحین کے اقوال و آثار کی روشنی میں راجح یہی ہے کہ حاملہ اور مرضعہ ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گی اور اس کی قضا نہیں دے گی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حاملہ عورت نے روزے سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "أَفْطِرِي وَأَطْعِمِي عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا وَلَا تَقْضِي" تم روزہ چھوڑ دو اور ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین ⇦

میت کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا

اگر مریض رمضان کے بعد تندرست ہوگیا، یا مرض میں اتنی تخفیف ہوگئی کہ وہ روزہ رکھ سکے لیکن اس نے قضا نہیں رکھی، پھر بیمار ہوکر مر گیا۔ یا مسافر کو سفر ختم ہوجانے کے بعد روزے کی قضا کا موقع ملا لیکن اس نے قضا نہیں رکھی اور قضا سے پہلے کسی بیماری یا حادثہ میں فوت ہوگیا تو ان دونوں کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا ان کے اولیاء (ورثاء) کے ذمے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ)) [1] چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ دینے کے بارے میں جو روایت ذکر کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ [2] اگر رمضان کے بعد مریض کی بیماری یا مسافر کا سفر قائم رہا اور انھیں قضا کا موقع نہیں ملا اور اسی بیماری یا اسی سفر میں وہ فوت ہوگئے تو ان کے اولیاء کے ذمے ان کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا نہیں اور نہ فدیہ ہی ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ''مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ مِنْ رَمَضَانَ لَمْ يَخْلُ مِنْ حَالَيْنِ: أَحْدُهُمَا: أَنْ يَّمُوْتَ قَبْلَ إِمْكَانِ الصِّيَامِ إِمَّا لِضِيْقِ الْوَقْتِ أَوْ لِعُذْرٍ مِنْ مَرَضٍ أَوْسَفَرٍ اَوْعَجزٍ عَنِ الصَّوْمِ فَهٰذَا لَاشَيْءَ عَلَيْهِ فِي قَولِ اَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ......وَلَنَا أَنَّهُ حَقٌّ لِلّٰهِ تَعَالَى وَجَبَ بِالشَّرْعِ مَاتَ مَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ قَبْلَ إِمْكَانِ فِعْلِهِ فَسَقَطَ إِلَى غَيْرِ بَدَلٍ كَالْحَجِّ......الْحَالُ

⇦ کو کھانا کھلا دو اور قضا نہ دو۔ (سنن الدارقطني 1/208 ح 2363 وسنده صحيح)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، آیت: ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ﴾ (البقرة 2:184) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أُثْبِتَتْ لِلْحُبْلَى وَ الْمُرْضِعِ" یعنی حاملہ اور دودھ پلانے والی کے حق میں یہ آیت محکم (غیر منسوخ) ہے۔ (سنن أبي داود: 2317 وسنده صحيح) سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حاملہ عورت اور بچے کو دودھ پلانے والی وہ عورت جو اپنے بچے کے بارے میں خائف ہو تو یہ دونوں روزہ چھوڑ دیں اور ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، نیز ان دونوں پر کوئی قضا نہیں ہے۔ (المصنف لعبد الرزاق: 4/15 ح 7585 وسنده صحيح)

[1] ''جس کے روزے رہتے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے اس کے ولی روزے رکھیں۔'' صحيح البخاري كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم:1952، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب قضاء عن الميت: 1147 (2492). [2] سنن أبي داود كتاب الصيام، باب: فيمن مات و عليه صيام: 2404 وسنده ضعيف، سفیان ثوری مدلس ہیں اور سماع کی صراحت نہیں ہے۔ سنن الترمذي: 718، سنن ابن ماجه: 1757، یہ روایت اشعث بن سوار کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

الثَّانِي: أَنْ يَمُوْتَ بَعْدَ إِمْكَانِ الْقَضَاءِ فَالْوَاجِبُ أَنْ يُطْعَمَ عَنْهُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنٌ۔ وَهٰذَا قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَ قَالَ ثَوْرٌ: يُصَامُ عَنْهُ وَ هُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِمَا رَوَتْ عَائِشَةُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[1] (المغنی ج 3ص 142ص143) نیز لکھتے ہیں: ''لَوْ تَرَكَهُ لِمَرَضٍ اتَّصَلَ بِهِ الْمَوْتُ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ شَيْءٌ'' (المغنی ج3ص141)[2] اور امام نووی لکھتے ہیں: ''فَمَنْ فَاتَهُ صَوْمُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ وَمَاتَ قَبْلَ قَضَائِهِ فَلَهُ حَالَانِ: أَحَدُهُمَا: أَنْ يَمُوْتَ بَعْدَ تَمَكُّنِهِ مِنَ الْقَضَاءِ سَوَاءٌ تَرَكَ الْأَدَاءَ بِعُذْرٍ أَمْ بِغَيْرِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَدَارُكِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ ... اَلْحَالُ الثَّانِي: أَنْ يَكُوْنَ مَوْتُهُ قَبْلَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْقَضَاءِ بِأَنْ لَا يَزَالَ مَرِيْضًا أَوْ مُسَافِرًا مِنْ أَوَّلِ شَوَّالٍ حَتّٰى يَمُوْتَ فَلَاشَيْءَ فِيْ تَرِكَتِهِ وَ لَا عَلٰى وَ رَثَتِهِ'' (روضۃالطالبین جلد2ص381 ص382)[3]

اور امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتاب (السنن الکبری جلد4ص253) میں درج ذیل باب باندھتے ہیں: ''بَابُ الْمَرِيْضِ يُفْطِرُ ثُمَّ لَمْ يَصِحَّ حَتّٰى مَاتَ فَلَا يَكُوْنُ

① ''جو فوت ہو جائے اور اس کے روزے باقی ہوں'' دو حالتوں سے خالی نہیں۔ اولاً: وقت کی قلت یا روزہ رکھنے کی استطاعت ہی نہیں یا بیماری اور سفر کی وجہ سے روزہ رکھنے کا موقع نہیں ملا اور وہ فوت ہو گیا تو اس صورت میں جمہور علماء کے نزدیک اس پر (فدیہ اور قضا وغیرہ) کچھ بھی نہیں ....اور شریعت میں ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا حق واجب ہے، جس شخص پر (حق) واجب ہو اور وہ اسے ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ حج کی طرح دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ثانیاً: وہ شخص جسے قضا کا موقع ملے (لیکن وہ قضا نہ دے سکے) تو جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے کہ اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ ابو ثور نے فرمایا: اس کی طرف سے روزہ رکھا جائے، یہی قول امام شافعی کا ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کے ورثاء اس کی طرف سے روزہ رکھیں۔'' (متفق علیہ)۔ ② اگر اس نے بیماری کی وجہ سے (روزے) چھوڑے، پھر اسی بیماری میں فوت ہو گیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ ③ جس شخص کا رمضان کا روزہ چھوٹ گیا، پھر وہ اس کی قضا دینے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت: وہ قضا کی طاقت رکھنے کے بعد فوت ہوا، اس کا عذر یا بغیر عذر کی وجہ سے ادائے قضا چھوڑنا برابر ہے، لہٰذا اس کی وفات کے بعد بھی اس کا تدارک ضروری ہے۔ دوسری صورت: وہ قضا دینے کی استطاعت سے پہلے ہی فوت ہو گیا، یعنی وہ یکم شوال سے مسلسل بیمار رہا یا سفر میں رہا حتیٰ کہ وفات پا گیا، لہٰذا روزہ چھوڑنے کی وجہ سے اس پر اور اس کے ورثاء پر (فدیہ و قضا وغیرہ میں سے) کچھ بھی نہیں ہے۔

عَلَيْهِ شَيْءٌ رُوِيَ ذٰلِكَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَمَرْتُكُمْ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ))[1]

بوڑھے مرد اور عورت کے لیے شرعی رخصت

وہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں یا روزہ رکھنے کی صورت میں انتہائی کمزوری ہو جانے کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو تو ان کے لیے اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (البقرۃ 2:184) کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"هِيَ لِلشَّيْخِ الْكَبِيْرِ وَالْمَرْأَةِ الْكَبِيْرَةِ لَا يَسْتَطِيْعَانِ أَنْ يَصُوْمَا فَيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا."

---

[1] امام بیہقی رحمہ اللہ نے بایں الفاظ باب قائم کیا ہے: ''وہ مریض جس کے روزے چھوٹ گئے، پھر وہ تندرست نہیں ہوا حتی کہ فوت ہو گیا تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو اسے حسبِ استطاعت بجا لایا کرو۔'' (دیکھیے صحیح البخاري: 7288 وغیرہ) اس سلسلے میں ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ حدیث: ((مَنْ مَاتَ وَ عَلَيْهِ صِيَامٌ، صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ)) کا تعلق نذر کے روزوں کے ساتھ ہے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کے بعد فرماتے ہیں: "هٰذَا فِي النَّذْرِ" یہ مسئلہ نذر (کے روزوں) کی صورت میں ہے۔ (سنن أبي داود: 2400) امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے سنا، انھوں نے فرمایا: نذر کے علاوہ میت کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جائے گا۔ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے عرض کیا: ماہِ رمضان (کے روزوں کے بارے میں کیا حکم ہے)؟ آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے گا۔'' (مسائل إمام أحمد: 661) عمرہ بنت عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ ''ان کی والدہ فوت ہو گئیں، ان پر رمضان کے روزے باقی تھے۔ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: میں ان (اپنی والدہ) کی طرف سے قضا دوں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں، بلکہ ہر روزے کے بدلے میں کسی مسکین کو نصف صاع (گندم وغیرہ) صدقہ کرو۔'' (مشکل الآثار للطحاوي: 6/179، وسندہ صحیح، طبع الرسالة) واضح رہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی حدیث: ((مَنْ مَاتَ وَ عَلَيْهِ صِيَامٌ...)) کی راویہ ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نذر کے روزے کے بارے میں فرمایا: "يُصَامُ عَنْهُ النَّذْرُ" اس (میت) کی طرف سے نذر کا روزہ رکھا جائے گا۔ (المصنف لابن أبي شيبة: 5/91 ح 12725، وسندہ صحیح، طبع مکتبة الرشد) دیگر روزوں کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "لَا يَصُوْمُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَ لٰكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ" کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے، البتہ اس (میت) کی طرف سے کھانا کھلایا جائے۔ (السنن الکبریٰ للنسائي: 2918 وسندہ صحیح) درج بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کا تعلق نذر کے روزوں سے ہے نہ کہ رمضان کے روزوں سے۔ واللّٰہ أعلم (ندیم ظہیر)

یہ آیت بوڑھے اور بوڑھی عورت کیلئے (غیر منسوخ) ہے۔ اگر وہ روزے کی طاقت نہ رکھیں تو انھیں چاہیے کہ ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ [1]

روزے کا ثمرہ اور مقصد

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

''مومنو! جس طرح تم سے پہلی قوموں پر روزے فرض کیے گئے تھے، اسی طرح تم پر فرض کیے گئے ہیں شاید کہ تم متقی بن جاؤ۔'' [2]

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور یہ ہدایت اور حق وباطل کی تمیز کی دلیل ہے، پس جو اس مہینے میں زندہ رہے وہ روزے رکھے جو بیمار یا مسافر ہو وہ ان کے بدلے میں اور دنوں میں روزے رکھے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا تا کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور اس لیے بھی کہ تم اللہ کی ہدایت پر اس کی بڑائی بیان کرو اور شکر ادا کرو۔'' [3]

قرآن پاک نے روزے کے حکم کے موقع پر ہمیں روزے کے تین نتیجے بتائے ہیں: تقویٰ، تکبیر اور شکر۔ انسانی کاموں کا حقیقی وجود ان کے نتیجوں اور ثمروں کا وجود ہے۔ اگر نتیجہ اور ثمرہ ظاہر نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کام بھی نہیں ہوا، اگر بیمار کو حکیم نے دوا دی لیکن جس فائدے کے

---

[1] صحيح البخاري: 4505. سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک سال (بڑھاپے کی بنا پر) روزہ رکھنے سے عاجز آگئے تو آپ نے ایک بڑے برتن میں ثرید بنوائی، پھر تیس مساکین کو بلا کر انھیں خوب سیر کرا دیا۔
(سنن الدارقطني: 2/206، ح 2365 وسنده حسن) امام ابن منذر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس بات پر اجماع ہے کہ جو (ادھیڑ عمر) بوڑھے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ روزے کے بجائے فدیہ ادا کر دیں۔'' (كتاب الإجماع: 129)

[2] البقرة 2:183. [3] البقرة 2:185.

لیے دی تھی وہ فائدہ حاصل نہیں ہوا تو سمجھنا چاہیے کہ حکیم نے دوا نہیں دی اور نہ بیمار نے دوا استعمال کی ہے۔ اسی طرح روزے کو اپنا روحانی علاج سمجھنا چاہیے۔ پس اگر روزے سے روحانی شفا یعنی تقویٰ، تسبیح وتقدیس، تکبیر وتہلیل، حمد وثناوغیرہ حاصل نہ ہو تو حقیقت میں وہ روزہ نہیں، بلکہ فاقہ ہے اور ایسا روزے دار فاقہ کش ہے جسے بھوک پیاس کی تکلیف کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے روزے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كَمْ مِنْ صَائِمٍ إِلَّا السَّهَرُ)) ''کتنے روزے دار ہیں جنھیں بجز تشنگی کچھ حاصل نہیں اور کتنے تہجد گزار ہیں جن کے تہجد سے بجز بیداری کچھ فائدہ نہیں۔''①

روزے کا پہلا ثمرہ تقویٰ بتایا گیا ہے جس کے معنی اصطلاح شرع میں ہر قسم کی جسمانی، نفسانی، دنیاوی لذتوں اور خواہشات سے جسم اور روح کو محفوظ رکھنے کے ہیں اور یہی روزہ کی حقیقت ہے جس کے ساتھ تکبیر اور حمد وثنا بھی ہونی چاہیے۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ گناہ کے ارتکاب، نفسانی خواہش کی پیروی اور عصیان وطغیان سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر یاد رکھنا چاہیے دل اور روح کا روزہ ضرور ٹوٹ جاتا ہے اور جب روح وقلب کا روزہ باقی نہیں رہا تو محض جسم کا روزہ بے سود اور غیر مفید ہے۔

((الصَّائِمُ فِيْ عِبَادَةٍ مِنْ حِيْنِ يُصْبِحُ إِلَى أَنْ يُمْسِيَ مَالَمْ يَغْتَبْ فَإِذَا اغْتَابَ خَرَقَ صَوْمَهُ))

''روزے دار صبح سے شام تک عبادت الٰہی میں رہتا ہے جب تک کسی کی غیبت نہ کرے جب وہ غیبت کرتا ہے تو اپنے روزے کو پھاڑ ڈالتا ہے۔''②

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے برے اور بیہودہ کام، لغو باتیں اور سرکشی نفس روزے کے منافی نہیں ہیں، لیکن یہ خیال جھوٹا اور غلط ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ إِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ))

''روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں، بلکہ حقیقت میں برے اور لغو کام سے بچنے

① سنن الدارمي، باب: في المحافظة على الصوم: 2762 وسنده حسن. ②موضوع، الجامع الصغير للسيوطي: 7356، ديلمي 2/257،258، السلسلة الضعيفة للألباني: 3790.

کا نام ہے۔"[1]

ہمارے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم جھوٹی باتوں اور برے عملوں کو روزے کی صحت کے لیے مضر خیال نہیں کرتے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ))

"جو شخص روزے کی حالت میں بھی کذب وزور اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے لیے روزے دار اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔"[2]

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روزے دار حقیقت میں نیکی اور بھلائی کا مجسمہ ہوتا ہے نہ تو وہ کسی کی غیبت کرتا ہے، نہ لغو و بیہودہ عمل کرتا ہے، نہ کذب وزور اور جہالت کے کاموں میں اپنے آپ کو ملوث کرتا ہے، نہ نفسانی خواہش کی اتباع کرتا ہے بلکہ برائی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ))

"تم میں سے جب کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ نہ بدگوئی کرے اور نہ شوروغل کرے۔ اگر کوئی اسے برا کہے یا اس سے آمادۂ پیکار ہو تو کہہ دے: میں روزے سے ہوں۔"[3]

ماہ رمضان میں نیک کاموں کا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے

((مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ أَدَّى فَرِيْضَةً كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ))

[1] حسن، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 4/270، والمستدرك للحاكم: 1/430،431، ابن خزيمة: 1996، ابن حبان: 3470. [2] صحيح البخاري كتاب الصوم، باب من لم يدع قول الزور...: 1903. [3] صحيح البخاري كتاب الصوم، باب هل يقول : إني صائم إذا شتم؟ :1904، و صحيح مسلم كتاب الصيام، باب فضل الصيام: 1151(2706).

''جس شخص نے رمضان میں ایک نیک نفلی کام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک فرض ادا کیا اور جس نے ایک فرض ادا کیا، وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ماسوا رمضان میں ستر فریضے ادا کیے۔''①

معلوم ہوا کہ اس مقدس اور بابرکت مہینے میں ہر نیک اور اچھے کام کا ثواب بہت زیادہ ملتا ہے، خواہ نفلی ہو یا فرضی، لہٰذا قرآن کی تلاوت، تسبیح وتقدیس، تکبیر وتہلیل حمد وشکر، تراویح اور دوسرے نیک کاموں میں بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ اس مبارک مہینے میں دل کھول کر صدقات وخیرات کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی سخاوت تیز وتند ہوا سے بھی زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔② اسی لیے آپ نے اس مہینے کو شہر المواساۃ (ایک دوسرے کی غمخواری اور مدد کرنے کا مہینہ) بتایا ہے۔③ ہمارے سالانہ فرض دو ہیں: ایک جسمانی اور ایک مالی فریضہ، مالی (زکوٰۃ) اگرچہ کسی وقت کے ساتھ محدود اور مخصوص نہیں ہے، مگر جب رمضان میں ایک فرض کی ادائیگی سے ستر فریضے کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے تو ادائیگی زکوٰۃ (فریضہ مالی) کے لیے رمضان سے بڑھ کر دوسرا کون سا وقت ہوگا۔

تراویح یا تہجد یا قیام رمضان

تراویح، تہجد، قیام رمضان تینوں ایک چیز ہے، ابن ماجہ میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے۔ آپ نے آخری عشرے کی تین راتوں میں ہمیں (تراویح کی) نماز (قیام اللیل) اس طرح پڑھائی: پہلی رات میں اول شب میں ادا کی، یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی اور دوسری رات میں نصف شب تک پڑھائی۔ ہم نے بقیہ نصف شب میں بھی پڑھنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ''جس نے امام کے ساتھ قیام کیا، اس نے پوری شب کا قیام کیا۔'' تیسری رات میں آپ نے آخر شب میں گھر والوں کو جمع کیا، اور

① ضعيف، ابن خزيمة: 1887، شعب الإيمان للبيهقي: 3336، علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہے۔
② صحيح البخاري: 6، صحيح مسلم: 2308. ③ ضعيف، ابن خزيمة: 1887، شعب الإيمان: 3336، علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

سب کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی۔ یہاں تک کہ ہم ڈرے کہ سحری کا وقت ختم نہ ہو جائے۔ [1]

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تراویح کو رات کے تینوں حصوں میں ادا فرمایا ہے اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک اپنے عمل کے ذریعے سے بتا دیا ہے۔ اب تہجد کے لیے کونسا وقت باقی رہا؟ لہٰذا تراویح اور تہجد کے ایک ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

العرف الشذی (ص 254 تقریر ترمذی از جناب محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی) میں ہے: "لَا مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيْمِ أَنَّ تَرَاوِيْحَهُ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكْعَاتٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلَيحَدَةً فِيْ رَمَضَانَ..."

یعنی اس بات کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نماز تراویح آٹھ رکعت تھی اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے نماز تراویح اور نمازِ تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھیں۔

تراویح یا تہجد کا جماعت کے ساتھ یا تنہا مسجد میں یا گھر میں آخر رات میں پڑھنا افضل ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ." تراویح آخر رات میں پڑھنا جس میں تم سو جاتے ہو اول رات میں پڑھنے سے افضل ہے۔ [2]

مگر اس غفلت، حیلہ سازی، بہانہ جوئی اور عذر تراشی کے زمانے میں مسجد میں اول رات میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کی جائے، ورنہ اکثر لوگ اس سے غافل ہو کر چھوڑ بیٹھیں گے اور کبھی پورے قرآن کی تلاوت تو درکنار اس کا سماع بھی نصیب نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تراویح با جماعت مسجد میں اول شب میں ہوا کرتی تھی اور آپ ﷺ نے بھی تین راتوں میں سے پہلی رات میں اول شب میں ادا فرمائی تھی۔

تعداد رکعات تراویح

تراویح کے بارے میں سلف کے مختلف اقوال ہیں چالیس، چونتیس، اٹھائیس، چوبیس، اڑتیس، بیس، آٹھ ان اقوال کو عینی وغیرہ نے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ ان مختلف اقوال سے اس دعویٰ کی

---

① سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان: 1375، سنن الترمذي: 806، سنن النسائي: 1365، سنن ابن ماجه: 1338، وسنده صحيح. ② صحيح البخاري: 2010.

حقیقت واضح ہوگئی کہ بیس رکعت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اجماع ہوگیا تھا۔ ان اقوال مختلفہ میں پچھلا قول یعنی آٹھ رکعت اور وتر کو شامل کر کے کل گیارہ رکعت ہیں اور یہی صحیح ہے اور سنت کے مطابق اور اس کے علاوہ کوئی قول سنت کے موافق نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے[1] چاہے بیس یا اٹھائیس یا چونتیس یا چالیس یا چھتیس آٹھ کے بعد سب تعداد برابر ہے۔ بیس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے اور نہ یہ سنت فاروقی ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں کل گیارہ ہی رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

دلائل گیارہ رکعت تراویح مع وتر

① عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ : "مَا كَانَ يَزِيْدُ فِي رَمَضَانَ وَ لَا فِيْ غَيْرِهِ عَلٰى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً."[2]

یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تراویح (تہجد) گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔

② عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: "صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَ أَوْتَرَ."[3]

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان کے مہینے میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی، پھر وتر پڑھا۔

③ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أنه كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ قَالَ: ((وَمَا ذَاكَ يَا أُبَيُّ؟)) قَالَ: نِسْوَةٌ فِيْ دَارِيْ قُلْنَ إِنَّا لَا نَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَنُصَلِّيْ

① ہمیشہ مسنون اور ثابت شدہ عمل ہی کرنا چاہیے اور وہ گیارہ رکعت 11=3+8 ہیں، مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

②صحيح البخاري كتاب الصلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: 2013. ③ حسن، مسند أبي يعلى: 3/336 ح 1802، صحيح ابن حبان: 2409، المعجم الأوسط للطبراني: 3733.

بِصَلوتِكَ قَالَ : فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَ أَوْتَرْتُ قَالَ: فَكَانَ شِبْهُ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا."

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ! رات کو مجھ سے ایک کام سرزد ہوگیا۔آپ نے فرمایا: ''اے اُبی ! کیا ہوا؟'' عرض کیا: میرے گھر کی چند عورتوں نے کہا: ہم قرآن نہیں پڑھتیں یعنی زیادہ یاد نہیں ہے۔ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گی اور قرآن سنیں گی۔پس میں نے انھیں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی اور وتر ادا کیا، آپ خاموش رہے اور یہ سنت رضا ہوگئی۔''[1]

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّهُ قَالَ: "أَمَرَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَ تَمِيْمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً."

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔[2]

بیس رکعت والی کوئی روایت اور اثر صحیح ثابت نہیں ہے۔كَمَا حَقَّقَهُ شَيْخُنَا فِيْ شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ فَلْيَرْجِعْ اِلَيْهِ مَنْ شَاءَ، علامہ ابن ہمام حنفی اور مولانا عبدالحق دہلوی، مولانا عبدالحی حنفی اور دیگر علمائے حنفیہ نے بھی بیس رکعت والی مرفوع روایت کو ضعیف بتایا ہے اور گیارہ رکعت کو سنت اور اصل قرار دیا ہے۔[3]

---

[1] حسن، مسند أبي يعلى: 3/336 ح 1801، صحيح ابن حبان: 2549، مجمع الزوائد: 2/74 ح 2387 وقال الهيثمي : "وإسناده حسن". [2] صحيح، موطأ إمام مالك: 114/1 ح 249 ، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 293/1 وقال النيموي الحنفي: "إسناده صحيح" آثار السنن (ص 350). [3] فتح القدير: 407/1 و نسخة أخرى: 427/1 ، نصب الراية: 153/2، العرف الشذي 166/1.

جناب خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں: ''اور سنت موکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعات تو بالاتفاق ہے، اگر خلاف ہے تو بارہ میں۔'' (براہین قاطعہ ص 95) اور عبدالشکور لکھنوی دیوبندی لکھتے ہیں: ''اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت تراویح مسنون ہے...'' (علم الفقہ ص 198)

لیلۃ القدر

شب قدر وہ مبارک رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہونا شروع ہوا، عزت وحرمت کی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، امن وسلامتی کی رات ہے جس میں عالم کے لیے امن وسلامتی کا پیغام اترا، وہ برکت والی رات ہے جس میں برکات ربانی رحمت ہائے آسمانی کی ہم پر سب سے پہلے بارش ہوئی۔

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ﴾

”ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے وہ ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح الامین (جبرائیل علیہ السلام) اپنے رب کے حکم سے امن اور سلامتی لے کر اترتے ہیں جو طلوع فجر تک قائم رہتی ہے۔“[1]

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ ۚ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَآ ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ۝ ﴾

”بلا شبہ ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا، بے شک ہم ڈرانے والے ہیں، اسی (رات) میں ہر محکمہ معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے، خاص ہمارے حکم سے بے شک ہم ہی (رسول) بھیجنے والے ہیں، آپ کے رب کی خاص رحمت سے بلا شبہ وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

”جس نے شب قدر میں ایمان اور طلب ثواب کی نیت سے قیام کیا، اس کے پہلے گناہ

---

① القدر 97:1-5. ② الدخان 44:3-6.

معاف کر دیے جائیں گے۔"[1]

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس رات میں رحمت الٰہی کا طلبگار رہو اور رحیم وکریم کے سامنے سر نیاز جھکا دے اور خشوع وخضوع سے یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي))

"اے اللہ! تو بڑا معاف کرنے والا ہے درگزر کرنے کو پسند کرتا ہے۔ پس میرے گناہوں سے درگزر فرما۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اگر میں شب قدر پاؤں تو کیا پڑھوں؟ آپ نے انھیں یہی دعا سکھائی تھی۔[2]

شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ رمضان کے آخری عشرے کی راتوں میں خصوصیت اور غایت اہتمام کے ساتھ تسبیح وتقدیس، تکبیر وتہلیل، استغفار وذکر الٰہی، تلاوت قرآن، نفل نمازوں میں مشغول رہے اور طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار رات کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔

اعتکاف

عبادت الٰہی کی نیت سے مسجد میں اپنے آپ کو مقید کرنا، اعتکاف ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ".[3]

---

[1] صحيح البخاري كتاب الصوم، باب من صام رمضان إيمانًا واحتسابًا ونيةً: 1901، صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح: 760 (1781).

[2] سنن الترمذي كتاب الدعوات باب في فضل سؤال العافية والمعافاة: 3513، سنن ابن ماجه كتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافية: 3850 وسنده ضعيف، یہ انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ عبداللہ بن بریدہ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے۔ [3] صحيح البخاري كتاب الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر: 2026، صحيح مسلم كتاب الاعتكاف، باب: اعتكاف العشر الأواخر من رمضان: 1172 (2784).

یعنی آپ ہمیشہ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی۔ آپ کے بعد آپ کی ازواج اعتکاف کرتی رہیں۔

اعتکاف کرنے والا چونکہ قرب الٰہی کی طلب میں اپنے آپ کو عبادت الٰہی کے لیے وقف کر دیتا ہے اور دنیا کے تمام مشاغل سے دور ہو جاتا ہے، اس لیے یہ ان اشخاص کے مشابہ ہے جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾

''اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ انھیں حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔''①

﴿ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝ ﴾

''رات دن پاکی بیان کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔''②

﴿ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ﴾

''اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔''③

﴿ الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ ﴾

''ان کی حالت یہ ہے کہ جب آیات قرآنیہ کے ساتھ انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور حمد الٰہی کے ساتھ رب کی پاکی بیان کرتے ہیں، ان کے پہلو ان کی خوابگاہوں سے دور رہتے ہیں، امید وبیم کی حالت میں اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں۔''④

انھیں اللہ کی یاد سے خرید وفروخت غافل نہیں کرتی۔

عَنْ عَائِشَةَ "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَا اللَّيْلَ وَ أَيْقَظَ

① التحریم 6:66. ② انبیآء 20:12. ③ آل عمران 191:3. ④ السجدة 32:15،16.

أَهْلَهُ وَجَدَّ وَ شَدَّ الْمِئْزَرَ". ① وَ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهِ". ②

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب (رمضان کا) آخری عشرہ آتا تو نبی ﷺ اپنا تہبند مضبوط باندھ لیتے۔ آپ ان راتوں میں خود بھی شب بیداری فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ انھی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جتنی محنت آخری عشرے میں کرتے تھے، اتنی کسی اور میں نہیں کرتے تھے۔

ایک دن یا ایک رات یا اس سے زیادہ جتنے دن چاہے اعتکاف کر سکتا ہے، مگر رمضان کے پورے آخری عشرے کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ پس جو شخص پورے عشرے کا اعتکاف کرنا چاہے وہ بیسویں رمضان کو دن کے آخری حصے میں آفتاب غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے مسجد میں پہنچ جائے۔ اور اکیسویں تاریخ کی رات مسجد میں گزارے اور مسجد کے جس گوشے میں اس کے لیے اعتکاف کی جگہ متعین کی گئی ہے، صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اس جائے معینہ کو اعتکاف کے لیے اختیار کر لے۔

اعتکاف مرد عورت اور نابالغ بھی کر سکتے ہیں، عورت کو اپنے شوہر کی اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔ اعتکاف اپنے شہر یا قصبہ کی جامع مسجد میں کرنا چاہیے۔ وَهُوَ مُخْتَارٌ عِنْدَ شَيْخِنَا الْعَلَّامَةِ الاجل الشيخ عبدالرحمٰن المباركفوري رحمه الله تعالىٰ كما صرح به في شرح الترمذي. عورت بھی مسجد میں اعتکاف کر سکتی ہے (جیسا کہ ازواج مطہرات مسجد نبوی میں معتکف ہوئی تھیں) مگر اس کے لیے ان کے شوہر یا ذی محرم کی ضرورت ہے۔ ماحول کے خراب اور پرفتن ہونے کی وجہ سے علمائے حنفیہ کے نزدیک عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے، ان کے نزدیک اسے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیے۔

---

① صحيح البخاري كتاب فضل ليلة القدر، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان: 2024، صحيح مسلم كتاب الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر ...: 1174(2787).
② صحيح مسلم، كتاب الاعتكاف، باب الاجتهاد في الأواخر...: 1175 (2788).

کن امور سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور وہ جائز ہیں

مسجد گر جانے یا زبردستی مسجد سے نکال دیے جانے یا جان ومال کے خوف سے مسجد سے باہر نکل جانا، بشرطیکہ دوسری مسجد میں فوراً چلا جائے۔ مسجد میں کسی دوسرے کو ضرورت کے وقت خرید وفروخت کی ہدایت کرنا، نکاح کرنا، عمدہ لباس پہننا، سر میں تیل لگانا، خوشبو استعمال کرنا، کوئی دوسرا کھانا لانے والا نہیں ہے تو خود گھر جا کر کھانا لانا، قضائے حاجت کے لیے قریب سے قریب جگہ جانا، غسل جنابت کے لیے مسجد سے باہر جانا، بعض روایتوں سے جامع مسجد کے علاوہ دوسری مسجد میں جہاں جماعت پانچ وقت نماز ہوتی ہو اعتکاف کرنے کا جواز نکلتا ہے، اس لیے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر پہلے جا سکتا ہے کہ خطبہ سے پہلے چار رکعت پڑھ سکے اور نماز فرض کے بعد اس قدر ٹھہر سکتا ہے کہ چار یا چھ رکعت سنت پڑھ سکے۔

ممنوعات اعتکاف

بیوی سے بوس وکنار اور صحبت کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ ﴾

''مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں بیویوں سے مباشرت وغیرہ نہ کرو۔''[1]

جنازہ اٹھانے یا جنازہ کی نماز پڑھنے کے واسطے یا بیمار کی عیادت اور تیمارداری کے لیے مسجد سے نکلنا، ہاں اگر قضائے حاجت کے لیے معتکف مسجد سے باہر گیا اور راستے میں کوئی بیمار مل گیا تو اس سے چلتے چلتے حال پوچھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: "السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَابُدَّ مِنْهُ."

معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ کسی بیمار کی عیادت نہ کرے اور نہ جنازے میں حاضر ہو اور نہ عورت کو چھوئے اور نہ مباشرت و جماع کرے اور کسی ضروری حاجت

---

① البقرة2:187. ② صحيح البخاري: 2029، صحيح مسلم: 297، وسنن ابن ماجه: 1776.

(بول وبراز) کے علاوہ جائے اعتکاف سے نہ نکلے۔''[1]

صدقہ فطر

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ روزے دار مجسم نیکی ہوتا ہے، اس کا جسم انسانی ہوتا ہے، مگر روح فرشتوں کی سی زندگی گزارتی ہے نہ وہ غیبت کرتا ہے نہ جہالت کے کام کرتا ہے مگر پھر بھی وہ معصوم نہیں ہے، اس سے غلطی اور لغزش ہوسکتی ہے۔ گناہ اور برائی میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ زبان سے بیہودہ اور لغو باتیں نکل آتی ہیں۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں روزہ ان عیوب اور نقصانات سے منزہ اور پاک نہیں رہے گا، اسی لیے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ہمارے روزوں کو ان نقصانات سے پاک صاف اور مقبول ہونے کے لیے ایک نہایت سہل صورت بتائی ہے جس کو اصطلاح شرع میں صدقہ فطر کہتے ہیں اور جو دیگر فرائض کی طرح ایک فریضہ ہے۔

((صَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ مُعَلَّقٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ وَ لَا يَرْفَعُ إِلَّا بِزَكٰوةِ الْفِطْرِ))[2]

''رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں اور جب تک صدقہ فطر نہ ادا کیا جائے مقبول نہیں ہوتے۔''

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: "فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ"

رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر فرض کیا ہے، روزے دار کے روزے کو لغو اور فحش گوئی سے پاک اور صاف کرنے کے لیے۔[3]

---

[1] سنن أبي داود كتاب الصيام، باب المعتكف يعود المريض:2473، وسنده صحيح، امام زہری نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ دیکھئے مسند الشاميين للطبراني: 128/4(2910)۔ [2] ضعيف، الترغيب والترهيب:664 بتحقیق علامہ البانی رحمہ اللہ، تفصیل کے لیے دیکھئے، السلسلة الضعيفة: 118,117/1.

[3] سنن أبي داود كتاب الزكوٰة باب زكوٰة الفطر: 1609، سنن ابن ماجه كتاب الزكوٰة، باب صدقة الفطر: 1827، وسنده حسن.

صدقہ فطر کس پر فرض ہے

صدقہ فطر کی فرضیت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب ہو بلکہ جس طرح ایک دولتمند پر فرض ہے، اسی طرح اس غریب پر بھی فرض ہے جس کے پاس عید کے دن اپنی اور اپنے اہل وعیال کی خوراک سے زائد اس قدر موجود ہو کہ ہر ایک کی طرف سے ایک صاع غلہ دے سکے، بلکہ غرباء کو دوسروں کے دیے ہوئے غلہ سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيهِ اللّٰهُ تَعَالَى وَ أَمَّا فَقِيرُكُمْ فَيَرُدُّ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهُ))

''صدقہ فطر کے ذریعے سے اللہ غنی کو پاک صاف کرتا ہے اور غریب کو اس کے ساتھ جتنا اس نے دیا ہے، اس سے زیادہ واپس لوٹاتا ہے۔''[1]

معلوم ہوا کہ صدقہ فطر امیر، غریب، مستطیع، غیر مستطیع سب پر فرض ہے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْصَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَ الْحُرِّ وَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَ الصَّغِيْرِ وَ الْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ."

''رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو غلام، آزاد، مرد، عورت، نابالغ اور بالغ مسلمان پر فرض کر دیا ہے۔''[2]

البتہ بیوی بچوں اور غلاموں کا صدقہ فطر مالک اور صاحب خانہ کو دینا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِصَدْقَةِ الْفِطْرِ عَنِ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ وَالْحُرِّ

---

[1] ضعيف، سنن أبي داود كتاب الزكوٰة ، باب من روى نصف صاع من قمح: 1619، ومسند أحمد 5/432، امام زہری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[2] صحيح البخاري كتاب الزكوٰة ، باب فرض صدقة الفطر: 1503.

وَالْعَبْدِ مِمَّنْ تَمُوْنُوْنَ"

"یعنی بالغ، نابالغ، آزاد، غلام کے نفقہ اور خرچ کا جو ذمہ دار ہو، اسے ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا۔"[1]

اگر بیوی بچے مکان پر نہ ہوں، بلکہ سفر میں ہوں تو ان کا صدقہ فطر بھی ادا کرنا ہوگا۔ ہاں اگر کسی نابالغ لڑکی سے نکاح کیا ہے اور عدم بلوغ کے باعث رخصتی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے والدین کے ہاں ہے تو اس کا صدقہ فطر اس کے باپ کو ادا کرنا ہوگا۔ اور وہ عورت جو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نافرمانی کر کے ماں باپ کے گھر چلی گئی ہو تو اس کا صدقہ فطر اس کے شوہر پر فرض نہیں ہے۔

صدقہ فطر صرف انہی لوگوں پر فرض نہیں جن پر روزے فرض ہیں بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت جیسا کہ صحیحین کی احادیث سے معلوم ہو چکا ہے۔ آپ نے صدقہ فطر کو طعمۃ للمساکین (مساکین کی خوراک) فرمایا۔[2] پس صدقہ فطر جس طرح روزے دار کی فحش کلامی اور بیہودہ گوئی کو دور کرنے کی حیثیت سے فرض کیا گیا ہے، اسی طرح مساکین کی خوراک ہونے کی حیثیت سے بھی فرض کیا گیا ہے، لہٰذا جو شخص عید کی صبح کو مسلمان ہو جائے یا جو بچہ عید کی صبح کو پیدا ہو، اس پر بھی صدقہ فرض ہے۔

صدقہ فطر کب ادا کرنا چاہیے

صدقہ فطر عید کی صبح کو عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ اگر عید کی نماز کے بعد ادا کیا گیا تو صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا اور صدقہ فطر کا ثواب بھی نہیں ملے گا، بلکہ مطلق صدقہ اور خیرات کے حکم میں ہو جائے گا۔

((فَمَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَ مَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ))

"جس نے صدقہ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کیا وہ صدقہ فطر مقبول ہوگا اور جس نے بعد

[1] ضعیف، سنن الدارقطني: 2/140 ح 2059، اس کی سند میں دو راوی قاسم وعمیر مجہول ہیں۔ امام ذہبی نے فرمایا: "إسناده لا يثبت" (تنقيح التحقيق:5/14). [2] سنن أبي داود:1609، وسنده حسن.

نماز ادا کیا تو وہ مطلق خیرات کے حکم میں ہو جائے گا۔''[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِزَكٰوةِ الْفِطْرِ قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ"

''رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر عیدگاہ میں جانے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا۔''[2]

اگر کسی مقام میں بیت المال اور سرداری کا نظام موجود ہو اور یہ سردار زکوۃ وصدقہ خور سرداروں اور پیروں کی طرح نہ ہو بلکہ وہاں پر بیت المال اور سرداری کا نظام معاشرے کی اصلاح کے ساتھ زکوۃ، عشر، صدقۃ الفطر وغیرہ کو ان کے مصارف مقررہ میں دیانت داری کے ساتھ تقسیم کرنے کے لیے ہو تو عید سے دو ایک دن پہلے اپنے اپنے صدقۃ الفطر کو بیت المال میں بھیج دینا کہ وہاں جمع ہو کر مستحقین کو تقسیم کیا جائے شرعاً جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق صحیح بخاری (1511) میں ہے:

"كَانَ يُعْطِيْهَا الَّذِيْنَ يَقْبَلُوْنَهَا وَ كَانُوْا يُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ بِيَوْمَيْنِ"[3]

نیز ان کے بارے میں ہے کہ "كَانَ يَبْعَثُ بِزَكٰوةِ الْفِطْرِ إِلَى الَّذِيْ تُجْمَعُ عِنْدَهُ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ أَوْ ثَلٰثَةٍ"[4] آپ رضی اللہ عنہ جہاں صدقۂ فطر جمع ہوتا وہاں عیدالفطر سے دو یا تین دن پہلے ہی صدقہ فطر بھیج دیتے تھے۔ قَالَ شَيْخُنَا فِيْ شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ: أَثَرُ ابْنِ عُمَرَ إِنَّمَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ إِعْطَاءِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ لِيَجْمَعَ لَا لِلْفُقَرَاءِ كَمَا قَالَ وَ أَمَّا إِعْطَاؤُهَا قَبْلَ

---

[1] سنن أبي داود كتاب الزكوٰة، باب زكوٰة الفطر: 1609، سنن ابن ماجه كتاب الزكوٰة، باب صدقة الفطر:1827، وسنده حسن. [2] صحيح البخاري كتاب الزكوٰة، باب الصدقة قبل العيد: 1509، صحيح مسلم كتاب الزكوٰة، باب: الأمر بإخراج زكاة الفطر قبل الصلاة: 986 (2288). [3] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صدقہ فطر ہر اس فقیر کو دے دیتے جو اسے قبول کرتا اور لوگ صدقہ فطر ایک یا دو دن پہلے ہی دے دیا کرتے تھے۔ [4] موطأ إمام مالك:632 وسنده صحيح.

الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْيَوْمَيْنِ لِلْفُقَرَاءِ فَلَمْ يَقُمْ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ انتهیٰ۔ ہمارے شیخ نے ترمذی کی شرح میں فرمایا: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر اس بات کی دلیل ہے کہ فقراء کے بجائے جہاں صدقہ فطر جمع ہوتا ہے وہاں عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے صدقہ فطر دینا جائز ہے، البتہ عید سے ایک یا دو دن پہلے براہ راست فقراء کو دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ جمع شدہ صدقہ فطر عید کے دن مساکین وفقراء کو تقسیم کر دے تا کہ وہ اس دن سوال سے بے نیاز ہو جائیں اور شرعی مصلحت پوری ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نَخْرُجَهَا قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ فَإِذَا انْصَرَفَ قَسَمَهُ بَيْنَهُمْ''[1]

صدقہ فطر کس قدر اور کن چیزوں سے دینا چاہیے

صدقہ فطر اس غلہ سے دینا چاہیے جو عام طور پر وہاں کے لوگوں کی خوراک ہو۔ اگر عام طور پر چاول کھایا جاتا ہے تو چاول دینا چاہیے، وقس علیٰ ہذا۔ اور بغیر فرق وامتیاز کے ہر جنس سے ایک صاع حجازی دینا چاہیے (وَهُوَ الْأَحْوَطُ عِنْدَ شَيْخِنَا كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِيْ شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ)[2] لیکن وہ جنس گھٹیا نہیں ہونی چاہیے۔ صاع حجازی یعنی صاع نبوی کی تول انگریزی سیر سے مختلف غلوں کی مختلف ہوتی ہے، اس لیے تعیین نہیں کی جا سکتی۔ پس جن لوگوں نے مطلقاً تین سیر یا چار سیر یا پونے تین سیر یا سوا دو سیر لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔[3]

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کھجور، جو، پنیر اور منقی سے ایک صاع فی کس صدقہ فطر ادا کیا جائے، لیکن گیہوں میں اختلاف ہے کہ ایک صاع دینا چاہیے یا نصف صاع، گیہوں سے صدقہ فطر دینے کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث ثابت نہیں ہے۔ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْحَافِظُ وَالشَّوْكَانِيُّ وَالزَّيْلِعِيُّ وَغَيْرُهُمْ، ہاں اکثر صحابہ گیہوں سے نصف صاع دیئے جانے کے قائل تھے۔[4] البتہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ تمام اجناس سے ایک صاع دینے کے قائل تھے۔[5]

---

[1] فتح الباري:375/3، وقال الحافظ: "أَخْرَجَهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَ لٰكِنْ أَبُوْ مَعْشَرٍ ضَعِيْفٌ".
[2] تحفة الأحوذي 3/401. [3] گندم کا ایک صاع کم وبیش ڈھائی کلو کے برابر ہوتا ہے۔ [4] سنن أبي داود كتاب الزكوٰة باب كم يؤدى في صدقة الفطر؟ :1614 وسنده حسن. [5] صحيح البخاري كتاب الزكوٰة باب صدقة الفطر صاع من شعير: 1505، و صحيح مسلم كتاب الزكوٰة باب زكوٰة الفطر على المسلمين من التمر والشعير: 985 (2284).

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی میں مدینہ میں گیہوں تقریباً تھی ہی نہیں اور جب فتوحات اسلامی کا سلسلہ وسیع ہوا اور گیہوں مختلف مقامات سے آنے لگی یا صحابہ کا ایسے مقامات میں گزر ہوا جہاں گیہوں ہوتی تھی، لیکن اور اجناس کے مقابلہ میں گراں تھی تو صحابہ نے گیہوں کو گراں سمجھ کر قیمت کا خیال کر کے نصف صاع کافی سمجھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ گیہوں سے نصف صاع کے قائل تھے انہوں نے قیمت کا لحاظ کیا اور حضرت ابن عمر اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم نے قیمت کا لحاظ نہیں کیا بلکہ صاع کی مقدار کا لحاظ کر کے بلافرق وامتیاز ہر جنس سے ایک صاع ضروری سمجھا۔ وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَ إِسْحَاقُ وَهُوَالأَحْوَطُ عِنْدَ شَيْخِنَا۔ ہندوستان میں گیہوں کھجور سے سستی ہے۔ پس ہر شخص کو گیہوں سے بھی ایک صاع دینا چاہیے۔ ہاں اگر کسی کو ایک صاع دینے پر قدرت نہیں ہے تو نصف صاع دیدے۔

کیا صدقہ فطر میں یا قیمت یعنی نقد پیسہ دینا جائز ہے؟

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے صدقہ فطر میں قیمت دینا ثابت نہیں۔ اس لیے بغیر عذر کے قیمت نہیں دینی چاہیے بلکہ عام طور پر کھائے جانے والے غلہ ہی سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے۔ البتہ اگر حسب ضرورت غلہ نہ مل سکے تو بازار کے عام نرخ کے مطابق فطرہ میں قیمت نکالی جاسکتی ہے۔ صاحب حدائق الازہار کے قول وَإِنَّمَا تُجْزِىءُ الْقِيمَةُ لِلْعُذْرِ" کی شرح میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں: أَقُولُ هٰذَا صَحِيْحٌ لِأَنَّ ظَاهِرَ الأَحَادِيْثِ الْوَارِدَةِ بِتَعْيِيْنِ قَدْرِ الْفِطْرَةِ مِنَ الأَطْعِمَةِ أَنْ إِخْرَاجَ ذٰلِكَ مِمَّا سَمَّاهُ النَّبِيُّ ﷺ مُتَعَيِّن۔ وَإِذَا عَرَضَ مَانِعٌ مِنْ إِخْرَاجِ الْعَيْنِ كَانَتِ الْقِيمَةُ مُجْزِئَةٌ لِأَنَّ ذٰلِكَ هُوَالَّذِي يُمْكِنُ مَنْ عَلَيْهِ الْفِطْرَةُ وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ مَالَا يَدْخُلُ تَحْتَ إِمْكَانِهِ"[1]

---

[1] السيل الجرارج 2ص86طبع القاهرة.

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصری رحمہما اللہ جنس کے علاوہ نقدی سے بھی صدقہ فطر ادا کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ:3/174(1036) وسندہ حسن، نیز دیکھئے مسائل عبداللہ بن احمد بن حنبل:809، والمغنی لابن قدامہ:3/65، بہر صورت راجح اور افضل یہی ہے کہ اجناس مثلاً: گندم وغیرہ سے ہی صدقہ فطر ادا کیا جائے۔ (ندیم ظہیر)

عید الفطر

عید الفطر کی رات شرف اور بزرگی کی رات ہے۔[1] اس بارے میں کئی صحابہ سے روایتیں آئی ہیں جن کو حافظ عبد العظیم منذری نے اپنی ترغیب میں ذکر کیا ہے۔ عید الفطر کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے عید کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی تو وہ منعقد نہیں ہوگی۔

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ: "نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ"

"سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فطر اور نحر کے دن، یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔"[2]

عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوعًا: ((مَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ))

"جس شخص نے معصیت ونافرمانی کی نذر مانی وہ معصیت نہ کرے۔"[3]

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ مَرْفُوعًا: ((لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةٍ))

"جس شخص نے معصیت کی نذر مانی (اس پر) اس کا پورا کرنا (لازم) نہیں ہے۔"[4]

زوال شمس کے بعد عید کا چاند دیکھنے کی شہادت

اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا اور نہ کسی جگہ سے وقت پر شہادت پہنچی اور دن میں روزہ رکھ لیا، پھر اگر زوال سے پہلے معتبر شہادت مل جائے تو روزہ اسی وقت افطار کر دیا جائے لیکن عید کی نماز اس دن نہ پڑھی جائے۔ ابو عمیر انصاری اپنے کئی صحابی چچاؤں سے روایت کرتے ہیں کہ ابر کی وجہ سے شوال کا چاند نظر نہیں آیا، اس لیے ہم نے روزے کی حالت میں صبح کی، آخر دن میں چند سوار آئے اور نبی ﷺ کے سامنے شہادت دی کہ ہم نے چاند شام کو دیکھ لیا تھا "فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُفْطِرُوا، وَإِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَغْدُوْا إِلَى مُصَلَّاهُمْ" آپ نے لوگوں کو افطار کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ کل عید کی نماز کے لیے عید گاہ میں چلنا ہوگا۔[5]

---

① اس سلسلے کی روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ دیکھئے سنن ابن ماجہ: 1782، وسندہ ضعیف، بلکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الضعیفۃ: 5136,521، میں اسے موضوع قرار دیا ہے۔ ② صحيح البخاري: 1991، صحيح مسلم: 1138. ③ صحيح البخاري: 6700، ④ صحيح مسلم: 1641. ⑤ سنن أبي داود كتاب الصلاة، باب إذا لم يخرج الإمام للعيد من يومه...: 1157، وسنن النسائي: 1558، وسنده صحيح.

عید الفطر کے دن یہ امور مسنون ہیں

① غسل کرنا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید گاہ میں جانے سے پہلے غسل کرلیا کرتے تھے۔ ①

ابن ماجہ، عبداللہ بن احمد اور بزار نے ابورافع وابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عید کے دن غسل کرنے سے متعلق حدیثیں روایت کی ہیں۔ ② لکن کلها ضعیف کما صرح به الحافظ فی الدرایة.

② عمدہ سے عمدہ کپڑے پہننا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عیدین میں بہترین کپڑے پہنتے تھے۔ ③

③ بہترین خوشبو استعمال کرنا: قَالَ الْأَمِيْرُ الْيَمَانِيُّ فِي سُبُلِ السَّلَامِ يُنْدَبُ لُبْسُ أَحْسَنِ الثِّيَابِ وَالتَّطَيُّبُ بِأَجْوَدِ الْأَطْيَابِ فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ لِمَا أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ مِنْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ الْبَسَطِ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْعِيْدَيْنِ أَنْ نَلْبَسَ أَجْوَدَ مَا نَجِدُ وَأَنْ نَتَطَيَّبَ بِأَجْوَدِ مَا نَجِدُ" ④

④ بلند آواز سے عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر پکارنا: عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا غَدَى يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْأَضْحىٰ يَجْهَرُ بِالتَّكْبِيْرِ حَتّٰى يَاتِيَ الْمُصَلّٰى ثُمَّ يُكَبِّرُ حَتّٰى يَاتِيَ الْإِمَامُ" ⑤

ایک حدیث میں ہے عیدین کو تکبیر کے ذریعے سے زینت دو۔ ⑥

﴿ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ﴾ تاکہ اللہ کی بڑائی بیان کرو اس کی ہدایت پر۔ اس آیت سے علماء نے تکبیر مذکور پر استدلال کیا ہے تکبیر کے الفاظ یہ ہیں۔

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"

[یہ کلمات عیدین کے دنوں میں پڑھنے، کسی مرفوع یا موقوف حدیث سے ثابت نہیں ہیں،

① موطا امام مالك: 248/2، وسنده صحيح.② دیکھئے عبدالله بن احمد (زوائد المسند):78/4، وسنده موضوع، یوسف بن خالد کذاب ہے۔ سنن ابن ماجه: 3116,3115، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 278/3، جبارة متهم بالكذب ہے۔③ السنن الكبرىٰ للبيهقي:6143،وسنده حسن.④ المستدرك للحاكم: 256/4(7560) وسنده ضعيف، اسحاق بن بزرج مجہول ہے۔⑤ السنن الكبرىٰ للبيهقي: 279/3، موقوفاً وسنده حسن، سنن الداقطني: 288/5 (1716).⑥ المعجم الصغير للطبراني: 599، الاوسط للطبراني: 339/4(4373) وسنده ضعيف، عمر بن راشد ضعیف ہے۔

البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے درج ذیل تکبیرات کہنا ثابت ہے:

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَأَجَلُّ اللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ"[1]

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تکبیرات کے یہ کلمات سکھاتے تھے:

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ أَعْلٰی وَأَجَلُّ مِنْ أَنْ تَکُونَ لَکَ صَاحِبَۃٌ أَوْیَکُونَ لَکَ وَلَدٌ أَوْیَکُونَ لَکَ شَرِیْکٌ فِي الْمُلْکِ أَوْیَکُونَ لَکَ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ تَکْبِیْرًا (کَبِیْرًا) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا"[2]]

⑤ عیدگاہ میں پیدل جانا: "عَنْ عَلِيٍّ قَالَ:"مِنَ السُّنَّۃِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَی الْعِیْدِمَاشِیًا وَأَنْ تَأْکُلَ شَیْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ" أَخْرَجَہُ التِّرْمِذِيُّ فِی الْبَابِ أَحَادِیْثُ أُخْرَی ضَعِیْفَۃ لٰکِنَّھَا یَعْتَضِدُ بَعْضُھَا بِبَعْضٍ".

سیدنا علی رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: "سنت میں سے ہے کہ عید کیلئے پیدل جایا جائے اور جانے سے پہلے کچھ کھالیا جائے۔"[3]

⑥ ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا: "کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ إِذَا خَرَجَ یَومَ الْعِیْدِ فِیْ طَرِیْقٍ رَجَعَ فِيْ غَیْرِہٖ"

رسول اللہ ﷺ عید کے دن ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس آتے تھے۔[4]

راستہ بدلنے کی بیس سے زیادہ حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ظاہری حکمت اسلام کی قوت اور شوکت کا اظہار ہے۔

⑦ طاق کھجوریں یا چھوہارے کھا کر عیدگاہ جانا چاہیے۔ اگر یہ نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز کھالے۔ حضرت

---

① المصنف لابن أبی شیبہ: 168/2(5654) وسندہ صحیح. ② المصنف لعبدالرزاق: 295/11 (20581) وسندہ صحیح، و السنن الکبریٰ للبیھقی: 316/3. ③ سنن الترمذی: 530، وسنن ابن ماجہ: 1296، وسندہ ضعیف، حارث الاعور سخت ضعیف ہے۔ ④صحیح، سنن الترمذی، 541، سنن ابن ماجہ: 1301.

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْدُ وَيَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا''

رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن کھجوریں کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے اور آپ طاق کھجوریں کھاتے تھے۔[1]

عورتوں کا عیدین کی نماز کے لیے عید گاہ جانا

عورتوں کا عید گاہ میں عید کی نماز کے لیے جانا سنت ہے۔ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، جوان ہوں یا ادھیڑ عمر بوڑھی۔

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُخْرِجُ الْأَبْكَارَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيْدَيْنِ فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلّٰى وَيَشْهَدْنَ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ: ((فَلْتُعِرْهَا أُخْتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا))

رسول اللہ ﷺ عیدین میں دوشیزہ، جوان کنواری اور حیض والی عورتوں کو عید گاہ جانے کا حکم دیتے تھے۔ حیض والی عورتیں جائے نماز سے الگ رہتیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک رہتیں ایک عورت نے عرض کیا: اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا: ''اس کی مسلمان بہن اپنی چادر میں لے جائے۔''[2]

جو لوگ کراہت کے قائل ہیں یا جوان اور بوڑھی کے درمیان فرق کرتے ہیں، در حقیقت وہ صحیح صریح حدیث کو اپنی فاسد اور باطل رایوں سے رد کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور ابن حزم نے اپنی محلی میں بالتفصیل مخالفین کے جوابات ذکر کیے ہیں۔ ہاں عورتوں کو عید گاہ میں سخت پردہ کے ساتھ بغیر کسی قسم کی خوشبو لگائے اور بغیر بجنے والے زیوروں اور زینت کے لباس کے جانا چاہیے تا کہ فتنہ نہ بنیں۔

---

[1] صحيح البخاري: 953.

[2] سنن الترمذي: 539 واللفظ له، صحيح البخاري: 351، صحيح مسلم: 89.

عید کی نماز صحرا، یعنی کھلے میدان میں پڑھنی چاہیے

عید کی نماز قصبہ یا شہر یا گاؤں سے باہر صحرا، یعنی کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے اور بغیر عذر کے مسجد میں یا چار دیواری گھیر کر مسجد کی صورت بنا کر احاطہ میں ادا کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مصلّٰی (عیدگاہ) صحرا میں تھا جس کو جُبانہ کہتے ہیں۔ آپ نے صرف ایک دفعہ بارش کے عذر کی وجہ سے مسجد نبوی میں عید کی نماز پڑھی تھی [1] اور مسجد نبوی کے اشرف مواضع اور افضل بقاع ہونے بلکہ اس کے بعض حصہ کے روضۃ من ریاض الجنۃ ہونے کے باوجود بغیر عذر کبھی اس میں نماز عید نہیں ادا فرمائی۔

عید کی نماز

عید کی نماز سنت موکدہ ہے، آپ نے کبھی اس نماز کو ترک نہیں فرمایا۔ جب آفتاب طلوع ہو کر روشنی پھیل جائے تو عید کی نماز کا اول وقت ہوگیا، یعنی اشراق کا وقت عید کی نماز کا اول وقت ہے اور قبل زوال شمس تک اس کا وقت باقی رہتا ہے۔

نماز عید کے لیے اذان ہے نہ اقامت: عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: "صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيدَيْنِ غَيْرَمَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ" [2]
نماز سے پہلے یا بعد میں عیدگاہ میں سنت یا نفل پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح نماز سے پہلے خطبہ اور وعظ کا بھی ثبوت نہیں ہے، اور نہ عیدگاہ میں منبر لیجانے کا ہی ثبوت ہے۔ نماز سے پہلے خطبہ اور وعظ کہنا اور عیدگاہ میں منبر لے جانا بدعت ہے۔ نماز عیدین سے پہلے اور بعد میں کوئی سنت نماز نہیں ہے نہ عیدگاہ میں نہ گھر پر۔ [3]

---

① اسنادہ ضعیف، سنن أبي داود: 1160، سنن ابن ماجہ: 1313، عیسیٰ بن عبدالاعلی مجہول ہے۔ تنبیہ: امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے لوگو! بلاشبہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو عیدگاہ لے جاتے تا کہ انھیں نماز پڑھائیں۔ یہ بات زیادہ آسان اور وسعت والی تھی اور (چونکہ) مسجد میں وہ لوگ سما نہیں سکتے تھے۔ پس اگر بارش ہو تو مسجد میں (عید کی) نماز پڑھ لو، یہ زیادہ آسان بات ہے۔" السنن الکبریٰ للبیھقی: 310/3 وسندہ حسن۔ ② صحیح مسلم: 887۔ ③ مذکورہ بحث کے دلائل کے لیے دیکھیے: صحیح مسلم: 177/49، وسنن أبي داود: 1140، وسنن الترمذی: 2172، وسنن النسائی: 5024,5023۔ صحیح البخاري: 963، صحیح مسلم: 2052/888، صحیح البخاري: 964، صحیح مسلم: 884، سنن ابن ماجہ: 1291 وغیرہ۔

عید کی نماز کا طریقہ

دل میں نیت کر کے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک (یا کندھوں کے برابر) اٹھا کر تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہہ کر ہاتھوں کو سینے پر باندھ لے، پھر سات مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرْ کہے، پھر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ یا اَللّٰهُمَّ بَاعِدْبَيْنِي پڑھے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور امام اس کے بعد سورۂ اعلیٰ یا سورۂ قٓ پڑھے پھر اَللّٰهُ اَكْبَرْ پکار کر رکوع میں جائے اور حسب دستور رکوع اور سجدوں سے فارغ ہو کر تکبیر پکارتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر پانچ مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرْ، کہے پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور امام اس کے بعد سورۂ غاشیہ یا سورۂ قمر پڑھے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے اور حسب دستور رکوع، سجدہ اور قعدہ کر کے سلام پھیر دے۔

معلوم ہوا کہ عید کی نماز دو رکعت ہے اور اس کی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ قرأت فاتحہ سے پہلے سات تکبیریں کہی جائیں گی اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے علاوہ قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہی جائیں گی۔[1] هذا هوالحق كما بينه شيخنا في شرح الترمذي وفي رسالته القول السديد

اور تکبیر زوائد کے ساتھ رفع الیدین کا ثبوت کسی مرفوع صحیح حدیث سے نہیں ہے۔[2] ہاں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تکبیر زوائد کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ پس اگر کوئی ان کی اتباع میں رفع الیدین کرے تو کر سکتا ہے۔

عید کا خطبہ

عید کی نماز کے بعد خطبہ اور وعظ کہنا سنت ہے امام کو چاہیے کہ مردوں کو خطبہ سنانے کے بعد عورتوں کے مجمع کے پاس پردے کا اہتمام کر کے ان کو بھی وعظ ونصیحت کرے اور صدقہ وخیرات پر برانگیختہ کرے۔

بعض ائمہ کے نزدیک عید کا خطبہ سننا ضروری ہے۔ سنت کے مطابق خطبہ سن کر واپس ہونا

---

① سنن أبي داود: 1101 وسنده حسن. ② سنن أبي داود: 722، ابن جارود: 178، وسنده صحيح، اس مرفوع حدیث سے تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کرنا چاہیے۔

چاہیے۔ امام کو چاہیے کہ سامعین کی زبان میں صدقہ وخیرات اتفاق واتحاد اور اخلاص وغیرہ پر برانگیختہ کرنے کے علاوہ اہم اور ضروری وقتی مسائل اور ضروریات پر خطبہ سنائے۔

عیدین کے لیے جمعہ کی طرح دو خطبہ دینا کسی معتبر مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ دو خطبوں کے ثبوت میں تین روایتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ایک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو ابن ماجہ میں مروی ہے۔[1] دوسری حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جو مسند بزار میں مروی ہے۔[2] تیسری حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جسے امام نووی رحمہ اللہ نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ وَرَوَى عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ: "مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَخْطُبَ فِي الْعِيدَيْنِ خُطْبَتَيْنِ فَيَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجُلُوسٍ" لیکن یہ تینوں روایتیں غیر ثابت ہیں۔ اس لیے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "لَمْ يَثْبُتْ فِي تَكْرِيرِ الْخُطْبَةِ شَيْءٌ وَلٰكِنَّ الْمُعْتَمَدَ فِيهِ الْقِيَاسُ عَلَى الْجُمُعَةِ انتهىٰ" تفصیل مرعاۃ ج2 ص33 میں ملاحظہ کی جائے۔

مذکورہ بالا روایتوں اور جمعہ پر قیاس کی بنا پر دو خطبے دیے جائیں تو جائز ہے۔[3]

شش عیدی روزے

رمضان کے روزے پورے کرنے کے بعد عید کے متصل ہی یا دو چار روز کے بعد شوال ہی کے مہینے میں پے درپے یا ناغہ کرکے چھ روزے رکھنے سے سال بھر کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے، پھر شوال کے بھی چھ روزے رکھے تو وہ سال بھر کے روزے رکھنے کی طرح ہے۔"[4]

سال بھر کے روزوں کا ثواب ملنے کی وجہ یہ ہے کہ قانون الٰہی ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ کے مطابق ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے تو رمضان کے تیس روزوں کا ثواب تین سو دن کا ثواب ہوگا۔ گویا تیس روزے قائم مقام دس مہینے کے روزوں کے

---

[1] سنن ابن ماجه: 1289 وهو منكر. [2] مسند البزار: 321/3 وسنده ضعيف. [3] چونکہ عیدین میں دو خطبے ثابت نہیں، لہٰذا ایک ہی خطبہ دینا چاہیے۔ [4] صحيح مسلم: 1164.

ہوئے اور تیس روزے رکھنے سے دس مہینے کے روزوں کا ثواب ملا۔ اب اسی قانون الٰہی کے مطابق شش عیدی روزے ساٹھ روزوں کے قائم مقام ہوئے اور چھ روزوں سے دو مہینے کے روزوں کا ثواب ملا۔ معلوم ہوا کہ رمضان اور شش عیدی روزوں سے سال بھر کے روزوں کا ثواب مل جاتا ہے۔

پس مسلمانو! اس اجر عظیم کو حاصل کرنے کے لیے رمضان کے بعد یہ چھ روزے رکھنے کی پوری کوشش اور سعی کرو۔ اگرچہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک شش عیدی روزے مکروہ ہیں مگر عام متاخرین حنفیہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہیں اور ان روزوں کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (عالمگیری)

صحیح الاقوال فی استحباب صیام ستۃ من شوال

[شوال کے چھ روزے صحیح وصریح احادیث سے ثابت ہیں لیکن بعض حضرات کی طرف سے شوال کے چھ روزوں پر اعتراضات کیے جاتے ہیں جن کا مدلل ومسکت جواب محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے دیا ہے، لہٰذا اسے اہم فائدہ جانتے ہوئے یہاں بیان کیا جارہا ہے۔ یہ دراصل ''احسن المقال فی کراہیۃ صیام ستۃ شوال'' (شوال کے چھ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق) نامی کتابچے کا جواب ہے۔ شیخ محترم رحمہ اللہ نے اس کتابچہ میں بیان کردہ ضعیف ومردود روایات کا جائزہ اور صاحب تحریر کے تمام اعتراضات کے جوابات ترتیب وار نقل کردیے ہیں جس سے ہر قاری حقیقت حال سے آگاہ ہوجائے گا۔ ان شاءاللہ]

الحمد للّٰه رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد:

سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ))[1]

جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد اس نے شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے (کے ثواب) کی طرح ہیں۔

اس حدیث کو درج ذیل اماموں نے صحیح قرار دیا ہے:

(1) امام مسلم (2) امام ابن خزیمہ (3) امام ترمذی (4) حافظ ابو عوانہ

(5) حافظ ابن حبان (6) حافظ حسین بن مسعود البغوی رحمہم اللہ۔

میرے علم کے مطابق کسی امام سے اس روایت کو ضعیف قرار دینا ثابت نہیں ہے۔

---

[1] صحيح مسلم: 1164، دارالسلام: 2758، صحيح ابن خزيمه: 2114، صحيح ابن حبان:3634/3626، صحيح ابى عوانه: القسم المفقود ص: 95,94، سنن الترمذى:759 وقال:"حديث حسن صحيح" شرح السنة للبغوى: 331/6 ح 1780، وقال: "هذا حديث صحيح".

اب اس حدیث کے راویوں کا مختصر و جامع تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

1: سیدنا ابو ایوب خالد بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ مشہور بدری صحابی ہیں جو (دورِ صحابہ کے آخری) غزوہ قسطنطنیہ میں 50ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

2: عمر بن ثابت بن الحارث الخزرجی الانصاری المدنی رحمہ اللہ۔

حافظ ابن حبان نے آپ کو کتاب الثقات (149/5) میں ذکر کیا۔ امام عجلی نے کہا: مدنی تابعی ثقہ (تاریخ العجلی: 1333) ابن شاہین نے انھیں کتاب اسماء الثقات (693) میں ذکر کیا۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، حافظ ابوعوانہ اور حافظ بغوی نے ان کی حدیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: ثقہ۔ [1]

فائدہ:.... اگر کوئی محدث کسی حدیث کو (مطلقاً) صحیح کہے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔

1: ابن القطان الفاسی (متوفی 628ھ) لکھتے ہیں:

"وفي تصحيح الترمذي إياه توثيقها و توثيق سعد بن إسحاق ولا يضر الثقة أن لا يروي عنه إلا واحد، والله أعلم"

اس حدیث کو ترمذی کا صحیح کہنا اس (زینب بنت کعب) اور سعد بن اسحاق کی توثیق ہے۔ ثقہ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ اُس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہے۔ واللہ اعلم [2]

2: تقی الدین بن دقیق العید نے کتاب الامام میں کہا: "وأي فرق بين أن يقول: هو ثقة أو يصحح له حديث انفرد به" اس میں کیا فرق ہے کہ راوی کو ثقہ کہے یا اس کی منفرد حدیث کو صحیح کہے۔ [3]

---

① تقریب التہذیب: 4780. ② بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام ج 5ص395ح2562، نصب الرایہ للزیلعی: 264/3. ③ نصب الرایہ ج 1ص149.

جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں عمر بن ثابت تابعی رحمہ اللہ پر کسی محدث کی جرح ثابت نہیں ہے اور اگر ایک دو سے جرح ثابت بھی ہو جاتی تو جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود تھی۔

تنبیہ نمبر 1: عمر بن ثابت نے یہ روایت سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ ①

تنبیہ نمبر 2: محمد زرولی دیوبندی تقلیدی نے بغیر کسی دلیل کے لکھا ہے: ''اور طبرانی کی روایت میں عمر بن ثابت ہے اور وہ ضعیف ہے۔'' ②

زرولی تقلیدی کا یہ قول امام مسلم، امام عجلی اور امام ترمذی وغیرہم کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

زرولی نے روایتِ مذکورہ کے بارے میں لکھا ہے: ''جبکہ خود امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح کے بجائے صرف حسن درجہ کا تسلیم کیا ہے۔'' ③ حالانکہ امام ترمذی نے ''حدیث أبي أیوب حدیث حسن صحیح'' لکھا ہے۔ ④

سنن ترمذی کے بعض نسخوں میں حسن کا لفظ بھی ہے۔ واللہ اعلم

عمر بن ثابت رحمہ اللہ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کر رکھی ہی:

1: سعد بن سعید بن قیس۔ ⑤

2: صفوان بن سلیم۔ ⑥

3: زید بن اسلم۔ ⑦

4: یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری۔ ⑧

سعد بن قیس مختلف فیہ راوی ہیں، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی وغیرہ نے

---

① دیکھئے صحیح مسلم:1164(2760،2759). ② احسن المقال فی کراھیة صیام ستة شوال ص26. ③ احسن المقال ص25. ④ دیکھئے سنن الترمذی مع العرف الشذی(ص158 ج1)دوسرا نسخہ (ج1 ص 94) معارف السنن (ج5ص444) تحفة الاحوذی(ج2ص59). ⑤ صحیح مسلم: 2758/1164، سنن الترمذی:759 وقال:"حسن صحیح" صحیح ابن خزیمہ: 2114، صحیح ابن حبان: 3634، شرح السنة للبغوی: 1780، وقال: "ھذا حدیث صحیح" وغیرہ. ⑥ مسند الحمیدی بتحقیقی:383، نسخہ دیوبند یہ:380. ⑦ مشکل الآثار للطحاوی: 2343. ⑧ مسند الحمیدی:382، مشکل الآثار:2346.

اُن پر جرح کی ہے لیکن امام مسلم، امام عجلی، ابن سعد، ابن عدی، ابن حبان اور امام ابن خزیمہ وغیرہ جمہور نے اُن کی توثیق کی ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "أحد الثقات" وہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔ ①

ایسا راوی جس کی جمہور محدثین نے توثیق کی ہو وہ حسن الحدیث کے درجے سے کم نہیں ہوتا لہٰذا سعد بن سعید بن قیس حسن الحدیث ہیں۔

تین ثقہ راویوں نے ان کی متابعت کر رکھی ہے:

صفوان بن سلیم (ثقہ مفتی عابد، رمی با لقدر) زید بن اسلم (ثقہ عالم) اور یحییٰ بن سعید الانصاری (ثقہ ثبت) لہٰذا سعد بن سعید پر تفرد کا الزام باطل ہے۔

صفوان بن سلیم کی روایت درج ذیل کتابوں میں صحیح سند سے موجود ہے: مسند الحمیدی (بتحقیقی: 383 وسندہ صحیح) سنن ابی داود (2433) السنن الکبریٰ للنسائی: (163/2ح2863) سنن الدارمی: (1761) صحیح ابن خزیمہ: (2114) صحیح ابن حبان (الاحسان: 3634/3626) شرح مشکل الآثار للطحاوی: (123/6ح 2344) المعجم الکبیر للطبرانی: (135/4، 136ح 3911)

صفوان بن سلیم کے شاگرد عبدالعزیز بن محمد الدراوردی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ سنن ابی داود (353) کی ایک روایت کو حافظ ابن حجر نے حسن قرار دیا ہے جس میں دراوردی ہیں اور نیموی تقلیدی نے آثار السنن (908 حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ) میں اسے نقل کر کے خاموشی اختیار کی ہے۔

حافظ ابن حبان اور امام ابن معین وغیرہما نے ان کی توثیق کی ہے۔

معتدل امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: "مدني ثقة" ②

① سیر اعلام النبلاء: 482/5. ② التاریخ للعجلی: 1114.

زید بن اسلم کی روایت درج ذیل کتاب میں صحیح سند سے موجود ہے: شرح مشکل

الآثار (2343 وسنده صحيح)

اس میں عبدالعزیز بن محمد الدراوردی ثقہ صدوق ہیں، ان کے شاگرد سعید بن منصور ثقہ حافظ ہیں اور ان کے شاگرد یوسف بن یزید بن کامل القراطیسی ثقہ ہیں۔ ①

یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری کی روایت درج ذیل کتابوں میں حسن سند سے موجود ہے:

السنن الكبرىٰ للنسائي: (2866 وقال: "عتبه هذا ليس بالقوى") مشكل الآثار (2346) المعجم الكبير للطبراني (136/4 ح 3915) مسند الحميدي (384)

یحییٰ بن سعید الانصاری سے یہ حدیث دو راویوں نے بیان کی ہے:

1: عبدالملک بن ابی بکر (بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام) ثقہ ہیں۔ ②

دیکھئے: السنن الكبرىٰ للنسائي (2866 وتكلم فى عتبه بن ابى حكيم)

عبدالملک بن ابی بکر سے یہ حدیث عتبہ بن ابی حکیم نے بیان کی ہے۔

عتبہ بن ابی حکیم مختلف فیہ راوی ہیں لیکن جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، لہٰذا ان پر امام نسائی کی جرح صحیح نہیں ہے۔

تحریر تقریب التہذیب میں لکھا ہوا ہے:

"بل: صدوق حسن الحديث...."

بلکہ وہ صدوق حسن الحدیث ہیں۔ (429/2 ت 4427)

لہٰذا یہ سند حسن ہے۔

2: اسماعیل بن ابراہیم (بن میمون) الصائغ ③

حافظ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے لیکن صاحبِ لسان نے امام بخاری سے "سكتوا عنه" (یہ متروک ہے) کی جرح نقل کی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (391/1، دوسرا نسخہ 601/1) یہ جرح امام بخاری سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ مثلاً دیکھئے التاریخ الکبیر (341/1) اسماعیل بن ابراہیم سے ایک جماعت نے روایت بیان کی ہے اور ابوحاتم الرازی نے

① دیکھئے تقریب التہذیب: 7893. ② تقريب التهذيب: 4167. ③ مسند الحميدي: 384.

کہا: "شیخ"[1]

خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی مجہول الحال ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے لیکن شواہد کے ساتھ حسن وصحیح ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں شوال کے چھ روزوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، بلحاظِ سند صحیح ہے۔

دوسری حدیث: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صيام شهر بعشرة أشهر وستة أيام بعد هن بشهرين فذلك تمام سنة....))

يعني شهر رمضان و ستة أيام بعده.

رمضان کے روزے دس مہینوں کے برابر ہیں اور اس کے بعد چھ روزے دو مہینوں کے برابر ہیں، اس طرح سے پورے سال کے روزے بنتے ہیں۔[2]

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہما نے صحیح قرار دیا ہے۔ اب اس کے راویوں کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

1: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

2: ابو اسماء عمرو بن مرثد الرحبی صحیح مسلم کے راویوں میں سے اور ثقہ ہیں۔[3]

3: یحییٰ بن الحارث الذماری ثقہ ہیں۔[4]

4: یحییٰ بن حمزہ بن واقد الحضرمی الدمشقی القاضی صحیحین کے راوی اور "ثقة رُمي بالقدر" ہیں۔[5]

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ راوی پر قولِ راجح میں رُمی بالقدر والی جرح مردود ہوتی ہے۔

---

① الجرح والتعديل:152/2. ② سنن الدارمی:1762وسنده صحيح، سنن ابن ماجه: 1715، صحيح ابن خزيمه: 2115، صحيح ابن حبان: 3635، السنن الكبرىٰ للنسائی:2861، مسند احمد 280/5،وغيره) ③ دیکھئے تقريب التهذيب: 5109. ④ تقريب التهذيب:7522. ⑤ دیکھئے تقريب التهذيب:7536.

5: یحییٰ بن حسان التنیسی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ ①

معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے لہٰذا اس کے ساتھ سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ والی حدیث اور بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ والحمدللہ

ان دو حدیثوں سے ثابت ہوگیا ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنا بڑے ثواب کا کام ہے اور زرولی دیوبندی تقلیدی کا انھیں ضعیف قرار دینا اور شوال کے چھ روزوں کو مکروہ سمجھنا باطل و مردود ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أنبا محمد بن عبداللّٰه بن عبد الحكم قال: حدثنا أبو عبد الرحمٰن المقرئ قال: حدثنا شعبة بن الحجاج عن عبدربه بن سعيد عن عمر بن ثابت عن أبي أيوب الأنصاري أنه قال: من صام شهر رمضان ثم أتبعه ستة أيام من شوال فكأنما صام السنة كلها"

ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سارا سال روزے رکھے۔ ②

اس موقوف روایت کی سند صحیح ہے۔ عبدربہ بن سعید بن قیس ثقہ اور صحیحین کے راوی ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (3786) اور ان تک سند صحیح ہے۔

معلوم ہوا کہ مرفوع حدیث کے ساتھ ان روزوں کی فضیلت آثار صحابہ سے بھی ثابت ہے۔

تنبیہ نمبر 1: سارا سال روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو سارا سال روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔

تنبیہ نمبر 2: شوال کے چھ روزوں کو مکروہ یا ممنوع سمجھنا امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ زرولی دیوبندی نے فقہ کی کتابوں سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بے سند ہونے کی وجہ سے

---

① دیکھئے تقریب التہذیب: 7529. ② السنن الکبریٰ للنسائی: 2/163,164، 2865.

مردود ہے۔

تنبیہ نمبر 3: امام مالک نے موطا امام مالک میں فرمایا ہے کہ انھوں نے علماء وفقہاء میں سے کسی کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور .... علماء اسے مکروہ سمجھتے ہیں............ الخ (ج1 ص311 تحت ح699) یہ قول اس کی دلیل ہے کہ امام مالک تک درج بالا دونوں صحیح حدیثیں اور سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نہیں پہنچا ورنہ وہ کبھی یہ الفاظ نہ بیان فرماتے۔ جب حدیث صحیح ثابت ہوجائے تو اس کے مقابلے میں ہر امام کا فتویٰ مردود ہوتا ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا امام ہو۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی نے کیا خوب لکھا ہے کہ ''مسند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب و کھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کل احد یوخذ عنه ویترك الا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم''[1]

[1] اتمام البرھان فی رد توضیح البیان، ص:389.

رمضان المبارک کے فضائل و احکام